بسلسلہ تالیفات حمیدیہ پریس دہلی

نمبر ۶

برباد گھروں کو آباد کرنے والی
خانہ داری اور کفایت شعاری کی
بہترین استانی

سُجن مُوتی

مولفہ
محسن النسوان الحاج حضرت خاموش
ایرانی مدیر دلچسپ فتح پور

عالمہ میاں ناظم رسالہ مولوی دہلی نے
حمیدیہ پریس دہلی میں چھپوا کر شائع
کی

حمیدیہ پریس دہلی کی مشہور و معروف و قابل مطالعہ کتابیں

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
کتاب الاسلام	للعہ	کیف مراسلت	عمر	بارہ مجالس	۱۲ر	اسلام آٹھ کتابیں مجلد	عہ۴
بخاری شریف اردو مکمل	ثیے	بہار شباب	عہ	حقائق اسلام	۸ر	تعلیم نسواں کی چار	۱۰ر
وعظ سعید	عہ۸	شبستان طرب	عہ	شہید اعظم	عہ۸	پانچ مقدس ہستیاں	۱۲ر
اسلام کی ابتدائی نشر حاکر	۱۰ر	عورت کی زندگی	عہ۸	تعزیرات دوزخ	۱۲ر	سات اخلاقی کتابیں	۱۲ر
نماز کی پانچ کتابیں	عمر	تقریر کے طریقے	۸ر	اسہل القرآن قاعدہ	۴ر	سات تاریخی کتابیں	۹ر
نماز کے علمی فائدے	۶ر	ہندوستان کی شہزادیاں	۱۲ر	ختم القواعد	۱ر	دس زنانہ بستہ مجلد	عمر
سادات المسلمین	۶ر	قرآن اور مسلمان	۱۲ر	تفسیر تبت سورہ	۸ر	سلسلہ تعلیم الاسلام	عہ
اوراد و ظائف	۱۰ر	کیف شباب	۸ر	بڑے پیر کی بڑی لائف	سمر	مونس انگلش ٹیچر	عہ
صحیفہ قدسی	۸ر	آئینہ مضمون نویسی	۸ر	تفسیر سورہ یاسین	۸ر	دوشیزہ کی جوانی	عمر
زیارت رسولؐ	۸ر	جوانی کی سات بہاریں	عہ	تفسیر ام الکتاب	۱۲ر	شاہی کوک شاستر	عہ۸
فالنامہ ناصری	۸ر	عربی کا استاد	۸ر	تازیانہ شیطان	۱۰ر	خطبات دین محمدی	عہ۸
تسخیر القلوب	۸ر	الفاروق	۱۲ر	شرح کریما	۵ر	تاریخ اسلام حصہ اول	عہ۴
دوائیں دعائیں	۴ر	المامون	۱۲ر	تفسیر موضح القرآن	ـــے	〃 حصہ دوم	۱۲ر
دافع الامراض	۴ر	سیرۃ النعمان	۶ر	تاریخ مدینہ	عمر	〃 حصہ سوم	۱۲ر
تاریخ القرآن	۱۰ر	الغزالی	۶ر	فارسی بول چال	۱۲ر	〃 حصہ چہارم	۶ر
مرنے سے پہلے	۱۰ر	سوانح مولانا روم	۶ر	خواب نامہ صدیقی	عہ۴	〃 حصہ پنجم	۸ر
مرنے کے بعد	۱۲ر	بیان خسرو	۴ر	بڑی سوانح عمری رسولؐ	۱۲ر	کتاب التعویذات	۸ر
خاموش تبلیغ	۱۰ر	سیرت سعدی	۳ر	حیات اولیا	۱۲ر	کنز الحسین	۱۲ر
شہید کربلا	[illegible]	حیات حافظ	۳ر	کنز الدقائق کا اردو ترجمہ	عہ۴	بڑا شہادت نامہ	عمر
سادتری	[illegible]	آغاز اسلام	۳ر	مرقاۃ العربیہ	عہ۸	۲ سور خواتین	۱۲ر
شاد جیلان	[illegible]	اسلامی میاں بیوی	۸ر	علم الصرف	۸ر	جذبات سخن	۱۲ر
تفسیر سورہ فاتحہ	۱۰ر	امت کی مائیں	۱۲ر	اردو خط و کتابت	۶ر	گروہ مشاہیر	۱۲ر
قرآن پاک کی مقبول دعائیں	۸ر	اندلس کی شہزادی	۸ر	محبت کے خطوط	۸ر	افشائے راز نہاں	عمر

وجہ تصنیف

ہوش سنبھالتے ہی جونہیں قومی اصلاح کی لہریں دماغ میں آنی شروع ہوئیں معاً یہ خیال دل میں جڑ پکڑ گیا کہ جب تک عورتوں کی اصلاح نہ ہوگی مرد کچھ نہیں کر سکتے چنانچہ اس کام کے لئے ماہوار رسالہ پردہ نشین جاری کیا گیا جو پندرہ برس تک چلتا رہا۔ بہت سی کتابیں لکھیں تقریریں کیں لیکچر دیئے۔ غرضکہ جو کچھ اپنی سکت اور بوتے کے مطابق کر سکا کرتا رہا اور ہوا جو کچھ ہو سکا۔

شوہر کیسے غلام بن جائے

اخبار رسالوں اور کتابوں کی بدولت صدہا ہندوستانی مسلمان عورتوں نے مجھے اپنا ہی خواہ مان کر باپ بیٹی کا سا تعلق رکھا اور سر دکھ اور مصیبت کے وقت مجھے یاد کیا خط لکھے مشورہ مانگا اور دوا اور دعا کا مطالبہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ ان خط لکھنے والیوں میں سے اکثر اپنے شوہروں کی بے انصافی بے اعتنائی اور ظلم کی شاکی تھیں اور اکثر ان میں سے مجھے ولی یا خدا یا گنڈے تعویذ والا پیر سمجھ کر اس کی طالب ہوتیں کہ میں کوئی عمل ٹوٹکا یا منتر ایسا سکھا دوں کہ ان کا شوہر ان سے محبت کرنے لگے یا فرمانبردار اور تابعدار ہو جائے۔ میں ان خطوں کے جواب میں اپنے اخبار و پرچہ یا آخری ناموں سے چھوٹے چھوٹے مضامین لکھتا رہا اور اس سے نہ صرف خطوط دیگر دوسری بیویوں کو نفع پہنچاتا رہا۔ مثلاً ایک بیوی نے مجھے لکھا کہ مجھے میں نذر نہ دیتی کہ میرا شوہر میرا غلام ہو جائے۔ میں نے جواب دیا کہ پہلے اس کی لونڈی بن جاؤ وہ خود بخود غلام بن جائیگا۔ ایک نے لکھا میرے میاں آوارہ ہو جاتے ہیں وہ

خواہ مخواہ مجھ سے ناراض رہتے ہیں کوئی عمل بتائیے کہ میں پڑھوں اور انکی بد مزاجی محبت سے بدل جائے۔ میں نے لکھا کہ جب وہ کھانا کھانے بیٹھیں تم پنکھا کھڑی ہو کر جھلا کرو اور جب تک یہ کرتی رہو ایاک نعبد وایاک نستعین، پڑھتی رہو۔ اس قسم کے میرے سائنٹفک ٹوٹکوں نے نفع تو بیحد پہنچایا مگر جاہل عورتوں کی اس جماعت کے لئے تو میں کار آمد نہ تھا جو اسی خبط میں مبتلا ہو کر پیشہ ور مصنوعی پیروں سادھوں اور بدمعاشوں کے پھندوں میں پھنسکر خود کو بھی تباہ کر لیا اور شوہروں کے دماغی توازن بگڑنے سے زیادہ ظلم و تعدی کا شکار ہو گئیں۔

ایک صاحب اپنی بیوی سے محض اس وجہ سے بیزار تھے کہ وہ ان کو تعویذ گھول گھول کر پلاتی رہتی ہے اور کسی عورت کے بہکانے سے الو کا گوشت تلاش کرا رہی تھی کہ انکو کھلا دے۔ میں نے انکو سمجھایا کہ ناراض ہونے کی اس میں کوئی بات نہیں وہ یہ ساری تدبیریں اپنے عقل اور سمجھ کے مطابق محض اس غرض سے کر رہی ہے کہ تم اس سے محبت کرنے لگو یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس کے عشق میں دیوانہ ہو جاؤ اور تم اس کے سوا اور کسی کو نہ دیکھو۔ پھر اس سے تو تم کو خوش ہونا چاہیے کہ وہ تم کو اپنا بنانا چاہتی ہے اور اس کے لئے وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔ ناخوش ہونے کی بات جب تھی کہ وہ تمہارے علاوہ کسی اور کو اپنا بنانا چاہتی ہو۔ اسی کا نام پاک محبت یا عشق حلالی ہے۔ خدا کی رحمت اس گھر پر نازل ہوتی ہے جہاں میاں بیوی عاشق و معشوق بنکر رہتے ہیں۔ فرشتے اس گھر کی ہر صبح زیارت کرتے ہیں اور جن و پری برکت کی دعا دیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس کا جواب تمہاری طرف سے یہ ہونا چاہیے کہ تم بھی ایسے ہی عملیات سے کام لو کہ تمہاری بیوی تمہاری عاشق بنجائے۔ کہنے لگے وہ عمل کونسا ہے۔ میں نے کہا بہت آسان اور مختصر اور وہ یہ کہ ہمیشہ اس سے مسکرا کر بات کرو۔

مستقل کتاب کی ضرورت

قصہ مختصر زمانے کے اس دور سے گذرتے ہوئے میرے دماغ میں ایک بات آئی وہ یہ کہ کوئی ایک مستقل کتاب اس موضوع پر لکھی جائے تاکہ پڑھی ہوئی عورتوں میں دلچسپ بنی رہے۔ اخبارات اور رسالوں کے مضامین کیسے ہی اچھے ہوں

محض ایک عارضی اثر دکھا کر فنا ہو جاتے ہیں۔ میں اس کتاب کا نام تسخیر شوہر یا ہنسی بھانا
نام ساحر موہنی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہندوستان کی عورتیں بلا قید مذہب و قومیت
پڑھیں اور فائدہ اٹھائیں۔ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ تسخیر شوہر کے عملیات تین قسم کے
ہوں گے یا ان کو تین شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جسمانی۔ اخلاقی۔ روحانی۔
یا یوں کہو کہ صورت۔ سیرت اور مذہب ہر سہ قسم کے عملیات انشاء اللہ صفحہ
قرطاس پر جمع کر دئے جائیں گے تاکہ دنیا کی لاکھوں پڑھی لکھی عورتیں مطالعہ کریں
اور میرے موہنی منتروں کو آزمائیں اور اپنے شوہروں کو اپنا زر خرید غلام نہ سہی اپنا
شیدا بنا لیں۔ اللہ تعالیٰ میرے ارادے کی تکمیل میں میری مدد فرمائے۔

کبھی نہ بھولونگا

اگر یہ خدمت میرے ناتواں ہاتھوں سے ملک کی عورتوں کی ہوئی تو میں
محب صادق منشی عبدالحمید خاں صاحب مالک حمیدیہ پریس اور رسالہ مولوی دہلی
کو کبھی نہ بھولوں گا جنہوں نے اس کتاب کی تصنیف کی بابت مجھے بار بار یاد دلا کر
یا یوں کہو کہ تقاضہ کرکے آمادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری محنت اور ان کی کوشش
کو رائگاں نہ کرے۔ اور وہ جن کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا ہے کتاب کو پڑھیں سمجھیں
اور عمل کی کوشش کریں۔

وکیل نسواں

خاکسار خاموش فتحپوری

١٩٣٧ء فتحپور سیکری

ہر عورت سے میرا سندیسہ

اے عورت سُن اور غور سے سُن سمجھ اور غور کر۔ تو ہوش سنبھالتے ہی ماں باپ بھائی بہن سے چھڑا کر زبردستی ایک اجنبی خاندان نئے گھر اور جدید کنبے میں بھیج دی گئی ہے۔ بھیج ہی نہیں دی گئی عارضی طور سے مہمان بنا کر نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے اب تجھکو یہیں عمر کاٹنی ہے یہیں مرنا جینا گڑنا اور کھپنا ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ دنوں تیرے ماں باپ تجھکو یاد کریں یا تو کبھی کبھی مہمان کی طرح جا کر اُن کو دیکھ آیا کرے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تیرے بھائی بہن کبھی کبھی ماں باپ کے تعلق سے تجھے یاد کر لیا کریں مگر تیرا دل خود اندر سے بولیگا کہ میرا اصلی گھر اب یہی ہے جہاں مجھے سوسائٹی یا برادری کے قانون نے مجھ سے پوچھے بغیر دھکیل دیا ہے۔ لہذا اب مجھے پرانے اور پیدائشی گھر کو بھول کر نئے مکان کو جنت بنانے کی فکر میں لگ جانا چاہیئے۔

اے عورت

تو کم عمر ہے ناتجربہ کار ہے کم علم ہے مگر تجھکو کم عقل نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مردوں سے زیادہ تجھے عقل و ہوش کی ضرورت ہے کیونکہ مرد کبھی اس قسم کی آزمائش میں نہیں ڈالا جاتا جس طرح ایک عورت یا لڑکی۔ تجھے ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جن کی خو بو عادت اطوار سے تو واقف نہیں۔ تجھے پتہ نہیں کہ وہ کس بات کو پسند کرتے ہیں اور کس کو ناپسند۔ لہذا تجھکو ایک عرصہ تک نہایت صبر و تحمل سے خاموشی اور سکون سے ہمت اور دلیری سے گھر والوں کے چال ڈھال طور طریقے سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد تیری سمجھ میں آ سکیگا کہ تجھے کیا کرنا چاہیئے۔

اے عورت

سمجھنے کی کوشش کر کہ دنیا جہان کے پیدا کرنے والے نے ایک طرف تجھے

مردوں کے مقابلہ میں ہر لحاظ سے کمزور پیدا کیا ہے جس کا یہ مطلب ہو کہ تو مردوں کی امداد کی ہمیشہ محتاج رہیگی مگر دوسری طرف اسی خالق و مالک نے بخشی ہیں وہ کشش اور جاذبیت رکھدی ہے کہ تیرے بغیر مرد کا گذر بھی نہیں ہو سکتا کسی نے خوب کہا ہے کہ اگر مردوں سے کہدیا جائے کہ جنت میں عورت نہ ہوگی تو اس کے عوض میں دوزخ میں جانا قبول کریں گے اگر یہ انتظام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا کہ عورت اور مرد دونوں مل کر رہیں اور دونوں مجبور رکھے جائیں کہ ایک کا گذر دوسرے کے بغیر ہو ہی نہ سکے تو مرد و عورت کا بیج بھی دنیا میں باقی نہ رہنے دیتے اور عورتیں بھی مردوں کا منہ دیکھنا گوارا نہ کرتیں۔

عجیب شہر

یورپ میں سنا جاتا ہے کہ عیسائی تارک الدنیا پادری یعنی راہبوں نے ایک بستی ایسی آباد کی ہے جس میں عورت کا داخلہ ممنوع ہے یعنی ہزاروں نفوس بستے ہیں مگر عورت ایک بھی نہیں ان پادریوں کا عقیدہ ہے کہ عورت شیطان کا وسیلہ ہے اس لئے خدارسی کے لئے ضروری ہے کہ عورت سے قطع تعلق کیا جائے سنا جاتا ہے کہ ان راہبوں کی بستی روز بروز اجڑ رہی ہے اور طرح طرح کی تباہ کاریاں ترقی کر رہی ہیں اور سارے عقلائے یورپ کا فیصلہ ہے کہ اس بستی پر قسم قسم کے عذاب کے سامان نازل ہو رہے ہیں اور ایک دن وہ بستی قبرستان بنکر رہجائیگی

عجیب بستی

اسی کے مقابلے ایک ایسی بستی کا ذکر بھی اخبارات میں آیا تھا جو ایک ملکہ عورت نے بسائی ہے جس میں کسی مرد کا داخلہ سنگین جرم ہے اور اس عورت کا بھی یہی خیال ہے کہ مرد سے زیادہ خود غرض بے وفا ظالم اور سنگدل اللہ کی کوئی مخلوق نہیں ہے لہذا اگر ممکن ہو تو عورت اس کے سایہ سے بھی دور رہنے کی کوشش کرے۔

سنا گیا ہے کہ اس ملکہ نے عورتوں کی ایک فوج بھرتی کی ہے جو دشمنوں کو تمام

جج مجسٹریٹ بنایا عورتوں ہی سے کاشتکاری تجارت اور ہر قسم کے کام لیئے۔ یہ سب کچھ ہو تو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورت ذات میں بھی ہر قسم کی قابلیت مردوں کی طرح عطا فرمائی ہیں اور اگر اس کی تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ انتظام ہو تو وہ بھی مردوں کی طرح سب کچھ بن سکتی ہے۔ چنانچہ اس شہر کے باشندوں میں ہر قابلیت کی عورتیں موجود ہو گئیں مگر قدرت الہی کے بر خلاف کس کی مجال ہے کہ جنگ کر سکے۔ اس شہر میں ایسی ایسی بیماریاں پیدا ہوئیں کہ ان کا علاج مرد ہی کر سکے۔ بہر حال اس کہانی سے مقصد یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں مجبور ہیں کہ ایک دوسرے سے مدد لیں یا یوں کہو کہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

اے عورت

جان اور سمجھ کہ عورت و مرد میں فرق ضرور ہے دونوں کی صورت شکل عادت سرشت خصلت سب میں ایک نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ تاہم دونوں ملکر دنیا بنا سکتے ہیں اگر ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں تو دنیا نامکمل رہیگی۔ لہذا حفظ مراتب میں بھی فرق ضرور ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ دونوں اپنی جگہ برابری کا درجہ رکھتی ہیں تو کام نہ چلیگا کیونکہ اگر ایک گھر یا خاندان کو ایک سلطنت مان لی جائے تو بادشاہ تو ایک ہی ہوتا ہے دو بادشاہ ایک ملک میں رہ نہیں سکتے۔ پرانی مثل مشہور چلی آرہی ہے "دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند" یعنی ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔

لہذا بس یہ ماننا پڑے گا کہ گھر کی سلطنت کا بادشاہ تو مرد ہے اور عورت اُسکی وزیر ہے۔ ایسا مان لینے سے عورت سے وہ ذلت و حقارت بھی دور ہو جائے گی۔ جو اکثر جاہل مرد عورت کو لونڈی یا پاؤں کی جوتی کا درجہ دیتے ہیں اور وہ خیال بھی رد ہو جائیگا کہ عورت و مرد مساوی درجہ رکھتے ہیں اور کسی کو کسی پر حکم چلانے کا حق نہیں ہے۔

اے عورت

جب یہ طے ہو گیا کہ تو اپنے بادشاہ کی وزیر ہے تو ثابت ہوا کہ وزیر کی عزت بادشاہ کے دل میں جسقدر بھی ہو واجبی اور حق بجانب ہے کیونکہ بادشاہ کی آرام و آسائش اسی میں ہے کہ وہ اپنے وزیر کو سلطنت کے چلانے میں آزاد رکھے مگر یہ بھی سوچنے

کی بات ہے کہ وزیر کے لئے ہر قسم کی قابلیت اور لیاقت کی ضرورت ہے۔ بادشاہ اگر نااہل بھی ہو تو کام چل جاتا ہے۔ لیکن وزیر اگر نالائق ہوا تو سلطنت تباہ ہو کر رہیگی۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ عورت کے لئے زیادہ ضرورت ہے کہ وہ زیادہ تعلیم یافتہ ہو۔ زیادہ عاقبت اندیش ہو اور زیادہ دانشمند ہو۔

اے عورت

جب ثابت ہوا کہ تیری حیثیت گھر میں ایک وزیر کی سی ہے اور تیرا شوہر بمنزلہ شاہ کے ہے تو ضرورت ہوئی کہ بادشاہ اور وزیر ایک ہو کر اپنی سلطنت کا کام چلادیں اگر ان دونوں میں اختلاف رہا تو اس کا اثر سارے خاندان یا راج پر پڑے گا۔ اور ہر کام میں ابتری نظر آئیگی۔ اور بادشاہ تو اگر چاہیں تو اپنے وزیر کو جب چاہیں علیحدہ کر کے اسے بہتر وزیر مقرر کر سکتے ہیں۔ یا یہ کہ وزیر جب دیکھے کہ میری رائے سے بادشاہ متفق اور متحد نہیں ہے تو وہ بھی استعفا داخل کر کے اپنا پیچھا چھڑا سکتا ہے مگر ہندوستانی میاں بیوی کا تعلق اس وزیر بادشاہ کی طرح ہے جو ساری عمر کا عہد کر کے داخل ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر وزیر اس بات کی کوشش کرے کہ بادشاہ کسی طرح ایسا ہو جائے کہ مجھ سے سلطنت کے معاملات میں اختلاف نہ کیا کرے اور میں جو کہوں وہی مان لے تو اس میں کون سے عیب کی بات ہے۔

پس اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے میں عورتوں کو وہ باتیں بتانا چاہتا ہوں جن کے عمل سے اپنے بادشاہوں یعنی شوہروں کو ایسا بنا دیں کہ ان کی باتوں کو بلا کسی چون و چرا کے مان لیا کریں۔ یا دوسرے لفظوں میں کہو کہ وہ ان کے تابعدار ہو جائیں۔

وجہ تصنیف کی صفحات پر میں لکھ چکا ہوں کہ تسخیر کے عمل تین قسم کے ہیں ایک وہ جنکا تعلق محض جسم سے ہے۔ دوسرے وہ جو اخلاق و عادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ تیسرے وہ جو روحانیات سے وابستہ ہیں۔

لہذا سب سے پہلا باب جو میں شروع کرتا ہوں وہ مادیات یعنی جسم سے تعلق رکھتا ہے۔

پہلا باب

عمل جسمانی

عورت کو جاننا چاہئے کہ عورت کے خون ہڈی گوشت اور پوست میں اللہ تعالیٰ نے ایک متقاطیسی اثر دیا ہے جس کو دیکھکر مرد کا دل اس کی طرف خود بخود بلا کسی سبب کے کھنچتا ہے۔ لہٰذا سب سے زیادہ ضروری ہے کہ عورت اپنے جسم کی تندرستی خوبصورتی اور صفائی سے کبھی غافل نہو۔

خوبصورتی جس کا دوسرا نام حسن بھی ہے عورت کے بس کا نہیں ہے۔ اللہ نے جیسا چاہا بنا دیا وہ اس معاملے میں مجبور ہے۔ لیکن یہ تو اس کی قابو کی بات ہے کہ جسم کو صاف ستھرا رکھے۔ ہر عضو کو سڈول بنانے کی کوشش کرے۔ بیماری سے بچائے رکھے۔ چہرے کی قدرتی ملاحت کو زائل نہ ہونے دے۔ دانتوں کی دمک اور آنکھوں کی چمک کو قائم رکھنے کی فکر کرے وغیرہ وغیرہ۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ بناؤ سنگھار شریف بیویوں کو زیبا نہیں ہے یہ تو بازاری اور ملعون برادری کی عورتوں کا کام ہے۔ گھر گرستی کی بیویاں یونہیں سادی سودی میلی کچیلی سیدھی سپاٹ اول جلول اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ یہ خیال بالکل جاہلانہ خیال ہے۔ گھر گرستی کی بیویوں کو صفائی تندرستی اور سنگھار کی اتنی ہی فکر رکھنی چاہئے جتنی دوسروں کو رکھنی پڑتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ اپنی سجاوٹ دنیا کے لئے کرتی ہیں اور یہ ایک شے کی خاطر کرتی ہے وہ سنگھار حرام ہے اور یہ حلال۔ ہمارے آقا اور مولا صلعم کا حکم ہے کہ جو بیوی اپنے شوہر کی جاذب نگاہ بننے کی نیت سے اپنے آپ کو آراستہ کرتی ہے وہ عبادت کرتی ہے۔ حضور صلعم نے ایک جگہ عورت کو دین کی محافظ اور پاسبان فرمایا ہے۔ بعض پھوہڑ میلی کچیلی لاپروا عورتیں اس طرف سے غافل رہتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے شوہر کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے اور

اور وہ اس طرف کھنچنا شروع ہو جاتا ہے جہاں کے نظارے دلکش ہوتے ہیں گویا وہ نہ صرف اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارتی ہے بلکہ دوسرے کے گناہ کا باعث بنتی ہے۔

لہذا ضرورت ہوئی کہ میں جسمانی ستھرائی صفائی سجاوٹ بناوٹ کے باب کو عضو وار لکھ کر بتاؤں تاکہ بھولی بھالی بے خبر عورتیں پڑھیں سوچیں اور فکر کریں۔

دانت

سارا حسن ایک طرف اور دانت ایک طرف۔ اگر جنت سے حور یا پرستان سے پری اتر کر آئے اور دانت ٹوٹے ہوئے یا میلے کچیلے کالے پیلے ہوں تو دیکھنے کو دل نہ چاہے۔ کیوں؟ اس وجہ سے کہ دانت کے حسن کے بغیر ساری خوبیاں بیکار ہیں۔ دانت وہ خداداد نعمت ہیں کہ انہی کو شاعروں نے موتی کی لڑی انار کے دانے اور نہ معلوم کیا کیا کہا ہے۔ انہی کی تعریف میں ہزاروں اشعار شعراء کے دیوان میں موجود ہیں۔ اگر میں لکھنے بیٹھوں تو سو صفحے بھی کافی نہیں۔ اس لئے بس اتنا اشارہ کرتا ہوں کہ عورت کو اپنے دانتوں کی سب سے زیادہ نگرانی کرنی چاہیئے اور جان سے زیادہ عزیز رکھنا چاہیئے اب ان اسباب کا ذکر کرتا ہوں جن سے دانت خراب ہو جاتے ہیں۔

آج کل ہندوستان میں دانتوں کی بیماری ترقی پر ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مرض انگریزی ملک سے آیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہیں سے بھی آیا ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ کیونکر پیدا ہوتا ہے اور اس کے روکنے کی کیا تدبیریں کی جا سکتی ہیں ڈاکٹر لوگ تو اس مرض کو پائیوریا کہتے ہیں، مسوڑھوں سے شروع شروع میں خون آتا ہے۔ پھر پیپ آتی ہے۔ دانت ہلنے لگتے ہیں۔ ڈاکٹر مشورہ دیتے ہیں کہ اکھڑوا ڈالے جائیں۔ اور مصنوعی دانت لگا کر کام چلایا جائے۔ چنانچہ یہی ہو رہا ہے کہ ہزاروں نوجوان مرد اور عورتیں بناوٹی دانت لگائے پھر رہے ہیں۔ ان نقلی دانتوں سے منہ اور چہرہ کی بدنمائی ضرور کم ہو جاتی ہے مگر عورت کا اصلی حسن جو اصلی دانتوں میں ہوتا ہے باقی نہیں رہتا۔

کچھ عورتیں اپنے دانتوں سے لاپرواہ رہتی ہیں نہ کبھی مسواک کرتی ہیں نہ منجن سے دانت ملتی ہیں۔ کھانے کے بعد نہ خلال کرتی ہیں۔ کھانے کے ریزے مسوڑھوں کے درازوں میں رہ کر سڑتے ہیں۔ کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں منہ سے بدبو آنے لگتی ہے اور مرض پائیوریا شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک غضب عورتیں اور کرتی ہیں کہ پان اور تمباکو کی عادت دھیرے دھیرے اس حد تک لاتی ہیں کہ منہ ہر وقت اُگالدان بنا رہتا ہے حتیٰ کہ بعض بعض اس قدر اس بدعادت کی شکار ہو جاتی ہیں کہ رات کو سوتے میں بھی ان کے منہ میں تمباکو اور چھالیہ موجود رہتی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ دانت سیاہ پڑ جاتے ہیں۔ کتھے چونے کی تہہ دانتوں پر اس قسم کا پلاسٹر کر دیتی ہے کہ نگاہ کو دیکھنے سے نفرت ہوتی ہے۔ ایسی عورتیں صورت شکل میں کیسی ہی اچھی ہوں لیکن دانتوں کی بدنمائی اُن کے حُسن و ملاحت پر پردہ ڈال دیتی ہے اور صاف ستھرے دانتوں کی وہ چمک جو ہنستے وقت اُن کے شوہروں کے دلوں پر بجلی کا کام دیتی تھی نفرت سے بدل جاتی ہے۔

ایک شوہر کا بیان ہے کہ میری بیوی جب تک منہ بند کئے ہوئے مجھ سے بات کرتی ہے تو میں اس کے چہرہ کی طرف پیار سے دیکھتا رہتا ہوں لیکن جونہی وہ ہنستی ہے اور اس کے کالے کالے سٹرلیٹے کے بیچ سے دانت کھل جاتے ہیں بس میرے جذبۂ دلی کا خاتمہ ہو جاتا ہے یہ باتیں لکھنے کے بعد میں ہندوستان کی عورتوں کو تنبیہہ کرتا ہوں کہ وہ اگر اپنے شوہروں کو اپنا عاشق بنانا چاہتی ہوں تو سب سے زیادہ اپنے دانتوں کی فکر کریں اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ پان اگر کھانا ہی ہے تو دن رات میں دو چار بیڑے کافی ہیں۔ تمباکو کی عادت سے تو بچا رہنا ہی بہتر ہے۔ پان بھی اگر کھاتا ہو تو کلی اور منجن سے منہ صاف رکھنا چاہئے۔ چھالیہ کے واسطے دانتوں کی درازوں میں رہنے نہ پائیں اگر پان بالکل نہ کھایا جائے تو اور بھی اچھا ہے سفید موتی سے دانت رہنا اور بھی خوب ہے۔ یا پھر منہ کا مزہ بدلنے کے لئے کھانے کے بعد ایک آدھ بیڑا اگر کھا لینے کا مضائقہ نہیں۔ اب ضرورت ہے کہ ہم دانتوں کے صاف

رکھنے کے لئے چند مجرب نسخے منجنوں کے بھی لکھ دوں۔

نسخہ جات

اگر مول کے منجن سے کام چلانا ہو تو آجکل بازاروں میں بہت قسم کے پاؤڈر اور ٹوتھ پیسٹ بکتے ہیں منگا کر رکھو اور کم از کم صبح شام دانتوں پر مل کر برش سے خوب رگڑ کر صاف کر لیا کرو۔ برش سے ایک نفع یہ ہے کہ دانتوں کے آگے پیچھے اوپر نیچے دائیں بائیں سب طرف صفائی ہو جاتی ہے۔ دانتوں کے درمیان کی درازیں بھی میل سے صاف ہو جاتی ہیں محض منجن کو انگلی سے رگڑ لینے سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے میری رائے میں اگر کسی قسم کے منجن سے کام چلانا ہے تو کسی برش کا استعمال زیادہ مفید ہے۔ اگر برش کو کسی وجہ سے کام میں لانا آپ کو پسند نہ ہو تو پھر پیلو کی مسواک کو کوٹ کر برش کی طرح کام میں لائے۔ اس سے بھی یہی مطلب نکل سکتا ہے مگر یہ لحاظ رہے کہ برش ہو یا مسواک اس کو پانی یا کسی کاربولک لوشن وغیرہ سے دھو کر استعمال کرنا بہتر ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو بیرونی مادہ یا جراثیم برش یا مسواک کے ریشوں میں رہ کر تندرست دانتوں میں روگ لگا دیتے ہیں۔ اگر کسی بہو کے پڑوس میں نیم کا درخت ہو تو میں صلاح دونگا کہ وہ اس کی ہری ٹہنی کا کبھی کبھی مسواک کر لیا کریں انشاء اللہ بہت سے امراض سے دانتوں کو نجات مل جائے گی۔ نیم بڑا خدا کا عجیب و غریب اثرات رکھتا ہے۔ اگر نیم کی سینکیں سکھا کر رکھ لی جائیں تو انہیں سے کھانے کے بعد خلال کرنا بہت مفید ہے۔ بعض لوگ ہر گھاس کے تنکے سے خلال کرنے لگتے ہیں یہ بری بات ہے اور خطرہ سے خالی نہیں۔ سوئی یا پن سے دانتوں میں خلال کرنا نہایت مضر ہے۔ میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا اگر کوئی شخص چالیس دن مسلسل نیم کی مسواک کرے تو اس کے منہ سے ایک قسم کی بھینی بھینی خوشبو آنے لگتی ہے جو صندل کی خوشبو سے مشابہ ہوتی ہے۔

ہمارے آقا اور مولا صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسواک کو بہت پسند فرماتے تھے جو بزرگ حضور کی عادتوں اور سنت پر عمل کرنا سعادت سمجھتے ہیں

وہ پانچوں وضو کے وقت دانتوں میں مسواک ضرور کرتے ہیں۔ عرب کی تہذیبی نسلیں تو اس سنت کی پیروی میں یہاں تک مبالغہ سے کام لیتے ہیں کہ ہر وقت کالٹ میں مسواک کھونسے رہتے ہیں اور دن میں بار بار دانتوں کو اس سے رگڑتے رہتے ہیں اگر عورتیں نمازی ہوں اور وضو میں مسواک ضروری جانیں تو مرض پائیریا تو اُن کے پاس کبھی نہ پھٹکے اور دانتوں میں جو قدرتی چمک ہوتی ہے کبھی زائل ہو۔

کسی تجربہ کار طبیب کا کہنا ہے کہ نمک اور سرسوں کا تیل اگر ایک شیشی میں رکھ لیا جائے اور سوتے وقت دانتوں پر معمولی طور سے انگلی سے مل لیا جایا کرے تو انشاءاللہ دانت ہر بلا سے محفوظ رہیں گے۔

نباض الملک حکیم محمد طاہر صاحب فریدی کا نسخہ ہے کہ کونین (بخار کی دوا) اور مصطگی ہموزن پیس کر اگر دانتوں پر ملیں تو ابتدائی پائیریا جاتا رہتا ہے۔

دوسرا نسخہ کسی طبیب کا ہے کہ سارس کی ہڈیاں جلا کر نمک کے ساتھ اگر ملی جائیں تو ہلتے ہوئے دانت جڑ جاتے ہیں۔

حاجی بہاءالدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر وپریسیڈنٹ اینگلو عربک کالج دہلی کا فرمانا ہے کہ تمباکو کے سگار کی راکھ سے اگر دانت کوئی ملتا رہے تو پائیریا سے بچا رہیگا۔

دہلی میں دفتر نظام المشائخ سے واحدی صاحب کا منجن اچھا بتایا جاتا ہے اس کو منگا کر استعمال کرنا چاہیئے۔

بھوپال کے سبحانی اینڈ کمپنی سکندری سرائے والے ترکی گلابی منجن فروخت کرتے ہیں فی ڈبیہ دو آنے لیتے ہیں۔ بڑی مفید چیز ہے۔ ایک ڈبیہ مہینہ بھر کے لئے کافی ہے۔ دانتوں کو سچے موتی بنا دیتا ہے مسوڑھوں کا خون بند ہو جاتا ہے۔ جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ پائیریا کا طلسمی دشمن ہے۔

مولسری کے سوکھے پھل۔ املی کے بیجوں کے چھلکے۔ مازو۔ پیس کر اگر پیسکر رات کو سوتے وقت رگڑ لیا کریں تو ہلتے ہوئے دانتوں کی جڑیں جم جاتی ہیں۔

اگر دواؤں سے مسوڑھوں کی پیپ بند نہ ہو تو آخری علاج دانتوں کا نکال لینا ہی ہے۔ ورنہ وہی مواد دانتوں میں جا کر دوسرے مہلک امراض

پیدا کرتا ہے۔

بعض عورتیں منہ دھوتے وقت صرف کوئلہ چبا کر دانت مانجھ لیتی ہیں یا زیادہ سے زیادہ کوئلہ نمک کے ساتھ پیس کر رکھ لیتی ہیں اور اس سے علی الصباح دانت مل لیتی ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ ۲۴ گھنٹہ کی دانتوں پر جمی ہوئی میل کی پرت کسی قدر صاف تو ہو جاتی ہے لیکن یہ طریقہ کچھ زیادہ مفید نہیں بلکہ بعض اوقات اس وجہ سے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض قسم کی لکڑی کا کوئلہ کچھ ایسا خراب ہوتا ہے کہ اُلٹا دانتوں کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے یا زخمی کر دیتا ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ بادام کے چھلکے جلا کر اس میں نمک اور سیاہ مرچیں پیس کر ملا دی جائیں اور اسی سے دانت مل لئے جایا کریں تاکہ مسوڑھوں کا کچھ بادی پانی تو نکل جایا کرے۔

ایک اور نسخہ

مضمون کو ختم کرتے ہوئے ایک نسخہ یاد پڑ گیا اسے بھی لکھے دیتا ہوں شاید کوئی مستفید ہو سکے۔

میرے عزیزوں میں ایک صاحب ۷۵ برس کی عمر کے ہیں مگر اُن کے دانت سب سلامت ہیں کچے چنے چباتے ہیں لطف یہ ہے کہ دانتوں پر جوانی کی سی چمک بھی موجود ہے۔ میں نے پوچھا کہ بھائی صاحب آپ کے دانت اس پیرانہ سالی میں کیسے بچے فرمایا کہ مجھے منشی حشمت علی صاحب پنشنر سب انسپکٹر کا بتایا ہوا نسخہ یاد ہے اُسے سالہا سال سے استعمال کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ درخت پاکھر کی چھال جلا کر کوئلہ کر لیتا ہوں اسی سے دانت ملا کرتا ہوں۔ ان بزرگ کا نام حافظ محمد فاضل صاحب ہے محلہ مشائخ ایرامان ضلع فتحپور میں تشریف رکھتے ہیں

کان

عورت کا ایک عضو کان بھی ہے اس کا بھی حق ہے اس کے متعلق مجھے صرف یہ لکھنا ہے کہ بعض ملک کی عورتیں زیور پہننے کی غرض سے اوپر سے نیچے تک چھید ڈالتی ہیں۔ زمانہ بدلتا رہتا ہے کسی زمانہ میں عورت کی خوبصورتی اسی میں سمجھی جاتی تھی کہ ہر کان میں سترہ سترہ سوراخ کر دئے جائیں تاکہ بالی پہنے

بالے، بجلی اور معلوم کیا کیا پہنا جائے۔ مگر آج کل جہاں تک میں نے پتہ لگایا ہے اس
زمانے کے نوجوان کانوں کو اس بری طرح سوراخ دار بنانا اور ان کو زیور کے بوجھ
میں دبانا وحشیانہ حرکت سمجھتے ہیں اور وہ وقت آگیا ہے کہ جن بیویوں کے کانوں پر
سوراخ اور گھروں میں زیور موجود ہیں وہ بھی استعمال نہیں کرتیں اور جو کرتی ہیں ان کے
شوہر ان کو جاہل اور قدامت پسند خیال کرتے ہیں۔ اس وجہ سے مجھے صاف کہہ دینا
چاہیئے کہ وہ بناؤ کس کام کا جس میں بگاڑ پیدا ہو جب تمہارا شوہر جس کے لبھانے
کے لئے تم بناؤ سنگھار کرتی ہو خود ہی ناپسند کرتا ہے تو پھر تم کو کیا ضرورت ہے
کہ تم اس کام کو کرو۔ میں نے بعض پرانے زمانہ کی بیویوں کو دیکھا کہ وہ تین تین
چار چار تولہ سونے کی زیور کا بوجھ کمزور اور نازک کانوں کے کنڈھوں پر زبردستی
رکھ دیتی ہیں جس سے وہ جھک کر یا لٹک کر بدنما ہو جاتے ہیں اور قدرتی حسن میں
نقص پیدا کر دیتے ہیں۔ لہٰذا میں ہندوستانی عورتوں سے مختصر کہے دیتا ہوں
کہ اپنی بچیوں کے کان چھدوانا قطعی بند کر دیں ہاں ایک سوراخ کان میں یا لَو میں
ضرور بنا دینا چاہیئے کیونکہ اس سے کئی قسم کے امراض کا روک بھی ہے نیز آویزے
یا بندے کانوں میں پہننا عورتوں کے حسن نسائی کو رونق دیتا ہے جن عورتوں
کے کانوں میں ایک آویزہ بھی نہ ہو تو وہ کھا کھسکا بھدا بھونڈا اُترا نہ کان معلوم ہوتا ہے
بس کان کے متعلق صرف اتنا ہی اور کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی
بڑی نعمت ہے اس کی حفاظت سے غافل نہ رہنا چاہیئے اگر ہفتہ میں ایک بار
دو دو چار قطرہ سرسوں کے تیل کے نیم گرم کانوں کے سوراخوں میں ڈال لئے جایا
کریں تو بہرہ پن کا خوف نہ رہے اور آنکھ اور دماغ کے لئے بھی مفید ہے۔

ناک

ناک دیکھنے میں تو ایک چھوٹا سا عیلم عضو ہے مگر قدرت کی طرف سے
اس کو وہ عزت ملی ہے کہ کسی اور عضو کو نصیب نہیں ہوئی حتیٰ کہ ہندوستانی
زبان میں ناک کے معنی عزت کے ہو گئے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ بڑے ناک والے ہیں
تو پھر ہم سے کوئی سوال نہ کرنا یا یہ کہ ناک ہی نہ رہی تو دولت کس کام کی۔

وغیرہ وغیرہ شادی بیاہ میں عورتیں کہا کرتی ہیں کہ اگر اتنا روپیہ قرض لیکر نہ لگاتے تو برادری میں ناک باقی نہ رہتی۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ کان کٹ جاتے یا آنکھیں پھوٹ جاتیں یا دانت ٹوٹ جاتے۔ بس یہی کہا جاتا ہے کہ ناک نہ رہتی۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ ناک کو دنیا نے ایسی عزت دی کہ وہ خود مجسم عزت بن گئی۔ اس لئے میں ہندوستانی بیگمات سے کیوں نہ کہوں کہ آپ بھی اپنی ناک کی عزت اور حفاظت کریں اور اس غریب پر کوئی غیر معمولی بوجھ نہ ڈالیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں سے اب نتھ پہننے کا رواج خوشی کی بات ہے کہ خود بخود بلا کسی کوشش کے اٹھ رہا ہے۔ دیہات میں نکاح کے وقت دلہن کے ناک میں سونے کا ایک بڑا اور نئی حلقہ جسے نتھ کہا جاتا ہے ضرور ڈال دیتے ہیں، کیونکہ سہاگ کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے لیکن پھر کوئی پہنتا نہیں۔ بس عورت کے ناک میں لونگ یا کیل جس میں کوئی خوش نما سفید یا سبز چھوٹا سا نگینہ ہو بالکل کافی ہے اس سے زیادہ اور سب ناک کے زیوروں کو چھوڑ دینا نہایت ضروری ہے۔

مصر کی عورتیں اگرچہ نتھ اور بلاق کا استعمال نہیں کرتیں مگر سونے کی ناک بنوا کر ناک پر منڈھ لیتی ہیں یہ اور بھی برا ہے اور موجودہ دور جدید کے مرد اس رواج کے برخلاف جہاد کر رہے ہیں۔

بعض پھوہڑ عورتیں زکام کی حالت میں ناک کی ریزش سے غافل رہ کر شوہروں کی نفرت کا باعث ہوتی ہیں جس حالت میں ناک سے مادہ نکلتا ہو تو ایک رومال ہر وقت ساتھ رہنا چاہیئے۔ میں نے دیکھا اور سنا ہے کہ بعض اچھی کھانا پکانے والی عورتیں کسی شریف گھر میں اس وجہ سے ملازم نہیں رکھی جاتیں کہ انکی عادت آٹا گوندھتے وقت ناک چھنکنے کی ہے اور اس کے بعد وہ ہاتھ کو پائجامہ میں رگڑ کر آٹا گوندھنے لگتی ہیں۔

آنکھ

اللہ اکبر آنکھ ایسی نعمت اللہ نے بندے کو دیکر اپنی قدرت کاملہ کا نمونہ دکھلا دیا۔ ذرا سی آنکھ کی کاریگری اگر کسی ڈاکٹر یا ماہر فن سے تفصیل سے سننے میں آئے تو اللہ کی عظیم الشان قدرت پر قربان ہوجانے کو دل چاہتا ہے۔ آنکھ کے بغیر ہاتھی جیسا جسم اور شیر جیسا

دل ہوتے ہوئے بھی انسان ایک تکا ٹکے کے برابر بھی نہیں ہوتا۔ غرضیکہ آنکھ بڑی چیز، بڑی نعمت اور بڑی دولت ہے کسی غریب نے ایک بزرگ سے اپنی مفلسی کی شکایت کی۔ بزرگ نے کہا کہ تم سے اگر کوئی امیر تمہاری ایک آنکھ چند ہزار روپیہ دیکر خریدنا چاہے تو کیا تم بیچنے پر تیار ہو، غریب نے کہا میں کسی بہاؤ یہ سودا کرنے پر آمادہ نہیں بزرگ نے کہا کہ پھر تم کو کون مفلس کہتا ہے۔ جب ایسی ایسی بڑھیا چیزیں تم کو اللہ نے دے رکھی ہیں۔

عورت کی آنکھ

پھر عورت کی آنکھ تو نہ معلوم کس قیمت کی ہے خصوصاً وہ آنکھ جس میں شرم وحیا اور پارسائی کی چمک ہو وہ آنکھ جو اللہ رسول کے بتائے ہوئے شوہر کے سوا کسی غیر کو دیکھنا پسند نہ کرتی ہو۔ وہ آنکھ جو غیر مشروع و ناجائز نظاروں کے لئے نہ اٹھتی ہو۔ تندرست عورت کی آنکھیں وہ مقناطیس ہوتا ہے جس کے اثر کو کوئی لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا شاعر لوگ کبھی اس کو نشیلی کبھی جادو بھری اور کبھی شراب کا پیالہ اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں مگر یاد رہے کہ یہ خوبی اسی آنکھ میں ہوتی ہے جسے تندرست آنکھ کہتے ہیں ورنہ اسکے بغیر یہ جوہر دو کوڑی کا ہو جاتا ہے اس لئے عورت کا فرض ہے کہ اپنی آنکھوں کی سلامتی اور تندرستی سے ذرا غافل نہ ہو۔ دیسی کاجل یا سرمہ اسی غرض سے ایجاد ہوئے ہیں کہ آنکھ کو ہر قسم کی بیماریوں سے بچائے رکھیں۔ اگر آنکھیں ذرا سا بھی دکھ درد محسوس ہو تو طبیب، حکیم یا ڈاکٹر سے فوراً رجوع کرنا چاہیئے۔ تندرستی کی حالت میں بھی آنکھوں کو ہر صبح سرد پانی یا تر پھلہ کے عرق سے دھوتے رہنا چاہیئے۔ اگر ڈاکٹر کسی عورت کو حفظ ما تقدم کی غرض سے چشمہ لگانے کا مشورہ دے تو استعمال میں پس و پیش نہ کرنا چاہیئے۔

اس مضمون کو یہیں ختم کرتے ہوئے ضرورت ہے کہ چند نسخے سرمے اور کاجل کے لکھد یئے جائیں تاکہ عورتیں تیار کر کے اپنے گھر میں رکھیں اور کام میں لاتی رہیں۔

نسخہ سرمہ محافظ چشم

(۱) سرمہ کی ڈلیوں کو آگ میں تپا تپا کر ترپھلے کے عرق میں بار بار بجھاؤ حتیٰ کہ سرمہ کی ڈلی مثل مٹی کے نرم ہو جائے اس کے بعد کھرل میں پیسنا شروع کرو

اور اس میں عرق برگ سولف۔ گلاب۔ عرق برگ نیم ڈالتے رہو کئی روز کی پسائی کے بعد جبکہ عرقیات سوکھ جائیں ذرہ سا کافور اور پیپرمنٹ پیس کر ملا دو اور شیشی میں حفاظت سے اُٹھا کر رکھ لو۔ اس سرمہ کو سوتے وقت جست یا چاندی کی سلائی سے لگانا آنکھوں کو ہر مرض سے بچائے رکھتا ہے۔

سرمہ میں اگر چنبیلی کی کلیاں تلی کے پھول ہلدی کا سفوف۔ پھٹکری ملا دی جائیں تو وہ اور بھی زود اثر بنجاتا ہے۔ سرمہ کا استعمال اس وجہ سے سنت رسول اللہ میں شامل ہے جو عورتیں یورپ کی تقلید میں سرمہ کاجل سے پرہیز کرتی ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ ہندوستانی سنگھار میں سرمہ شامل ہے اور اسی وجہ سے سرمگیں آنکھ کی تعریف شعراء نے خاص طور سے کی ہے۔

(۲) جس زمانہ میں نیم کا درخت پھولتا ہے نیم کے پھول کو کوٹ کر عرق نکال لینا چاہیئے۔ اس عرق میں کافور حل کر کے نئی روئی کو تر کر کے خشک کر لینا چاہیئے اسی روئی کی بتیاں بنا کر سرسوں کے تیل میں بھگو کر کاجل پار لینا چاہیئے اور اس کاجل کو حفاظت سے رکھ لینا چاہیئے۔ یہ بچوں اور عورتوں کے کام کا کاجل ہے۔ اگر اسی کاجل کو کانسے کی تھالی میں ذرا سا گائے کا گھی ملا کر تانبے کے پیسے سے رگڑ لیں تو اور سریع الاثر اور قوت دار ہو جاتا ہے۔ خلاصہ ان سب باتوں کا یہ ہے کہ عورت اپنی آنکھ سے غفلت نہ کرے کیونکہ اسی کی تندرستی میں شوہر کے تسخیر کا جادو اللہ نے دیا۔ اگر اللہ نے مقدور دیا ہے تو لکڑی کے بجائے کوئلہ پر کھانا پکاؤ تاکہ دھوئیں کے بُرے اثر سے قبل از وقت آنکھوں کی چمک پھیکی نہ پڑ جائے۔

بال

کسی نے کہا ہے کہ عورت کی خوبصورتی کے اگر دو حصے کئے جائیں تو آدھا حصہ بالوں کے حق میں ہوگا۔ ایک عورت اگر سر سے پاؤں تک حسن و جمال کی مجسمہ ہو مگر بال بُرے ہوں سیاہ نہ ہوں صاف اور چمکیلے نہ ہوں تو سب خاک دھول ہے۔ جب بالوں کو قدرت نے دربار ... یہ رتبہ ملا ہے

تو عورتوں کو انکی بڑی قدر بڑی حفاظت اور بڑی دیکھ بھال کرنی چاہیئے۔ بعض عورتوں کے بال مرض کے باعث گرنے لگتے ہیں۔ بعضوں کے بڑھتے نہیں بعضوں کے روکھے بے چمک اور بعضوں کے قبل از وقت سفید ہونے لگتے ہیں۔ یہ ساری علامتیں بتاتی ہیں کہ کوئی بیماری ضرور ہے اور ضرورت ہے کہ علاج کیا جائے۔ بس بالوں کے مضمون کو میں طول دینا نہیں چاہتا اور چند نسخہ جات درج کر کے ختم کرتا ہوں یورپ نے وہ عورتیں میموں کی ریس میں اپنے بال ترشوا کر اپنے اوپر ظلم کر رہی ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے خود ایسی عورتوں کے شوہر اس فعل کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے میں نے ایک انگریز کو کہتے سنا کہ جب سے ہماری عورتوں نے مردوں کی سی صورت بنانی شروع کی ہے ان میں سے مردوں کی نگاہ کو اپنے طرف کھینچنے کا جوہر کم ہو گیا ہے اور جوں جوں انکی نسائیت یا عورت پن غائب ہو رہا ہے۔ وہ مردوں کی نگاہ سے گر رہی ہیں۔

نسخہ جات

(۱) بالوں کو اگر بیر کی پتیوں سے دھویا جائے تو جڑیں مضبوط ہوتی ہیں اور بال گرنا بند ہو جاتے ہیں۔

(۲) خشک آنولوں کو پانی سے پیس کر ناریل کا تیل ڈالکر پکاؤ اور بالوں کو ان سے دھوؤ تو بال نرم چکنے اور مضبوط ہو جاتے ہیں اور دماغ ٹھنڈا رہتا ہے اور آنکھوں کی روشنی بڑھتی ہے۔

(۳) سوڈا یا معمولی صابن سے بالوں کو دھونا خطرہ سے خالی نہیں بالوں کی اصلی سیاہی کو نقصان پہنچتا ہے نوکیں پھٹ جاتی ہیں اور جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں۔

(۴) بالوں میں وہ بنائے ہوئے تیل نہ ڈالنا چاہیئے جو معدنی تیلوں میں خوشبو ملا کر بناتے ہیں اور طرح طرح کے دلکش نام رکھ کر فروخت کرتے ہیں۔

(۵) اگر مغز بادام۔ مغز کدو۔ کاہو وغیرہ سے تیل نکلوا کر سر میں ملا جائے تو بڑا نفع ہو گا۔ علاوہ بالوں کے دردسر وغیرہ جاتا رہتا ہے اور آنکھوں میں تراوٹ آتی ہے۔

چہرہ

انسان کا چہرہ انسان کی تندرستی کا میٹر ہے (یعنی وہ آلہ جو بتاتا رہتا ہے کہ تندرستی کی کیا حالت ہے) پھر عورت کے چہرے کو کیا پوچھتے ہیں وہ تو سرمایہ حیات یا خلاصہ موجودات ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کو دیکھے بغیر حضرت آدم کو جنت بُری معلوم ہونے لگی تھی۔

عورت کو آئینہ میں اپنا منہ وقتاً فوقتاً دیکھتے رہنا چاہیئے اور اس بات کی نگرانی کرنی چاہیئے کہ کہیں اس کی قدرتی رونق یا ملاحت میں فرق تو نہیں آرہا۔ یوں تو یہ قدرتی رونق سب کے لئے چند روزہ مہمان ہے جوں جوں عمر ڈھلتی ہے یہ چیز بھی رخصت ہونی شروع ہوتی ہے اور اپنے وقت پر چل دیتی ہے اور کوئی طاقت اس کو واپس نہیں لا سکتی۔ مگر یہاں میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ عورت صرف یہ نگرانی کرتی رہے کہ قدرتی نعمت کہیں قبل از وقت تو نہیں جا رہی اور اس کا روک تھام کرے۔

روک تھام کی چند تدبیریں مختصراً لکھے دیتا ہوں دانشمند سے را اشارہ کافی ست۔

(۱) اگر دیکھو کہ چہرہ کی جلد میں روکھا پن ہے اور اس میں قدرتی چمک پہلے کی سی باقی نہیں یا رخساروں پر کسی قسم کے داغ یا چھائیاں نمایاں ہو رہی ہیں تو فوراً کسی ہوشیار ڈاکٹر سے کہو کہ تمہارے اعضاء کا معائنہ کر کے پتہ لگائے کہ کیا گڑبڑ ہے۔ اس کو معلوم ہو جائے گا کہ فلاں سبب خون اچھا نہیں بنتا۔ یا دوران خون میں بے قاعدگی ہے۔ دل، جگر، معدہ اپنا کام ٹھیک نہیں کر رہے وغیرہ وغیرہ اور وہ اُن کے علاج کے نسخے دیگا۔ میں اس بات کو پھر یہاں دہراتا ہوں کہ چہرہ سارے جسم کی مشینری کا میٹر ہے یا آلہ قیاس الحرارت۔ اس کی بے رونقی اس کا روکھا پن کچھ معنی رکھتا ہے اور یہ عورت کے لئے ہزاروں نقصان سے بڑھ کر ایک نقصان ہے۔

ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ میری بیوی بہت وقت چہرے کی آرائش میں بیٹھ کر

باتیں کرتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت و بلاغت کی بلبل چہک رہی ہے کیونکہ زبان نہایت صاف ہو گئی ہے میں ایک قسم کی قدرتی موسیقیت اور نسوانی لوچ ہے زبان محاورہ کی بولتی ہے۔ اور ایسی صاف کہ ہر ایک کی سمجھ میں برابر آتی ہے۔ مگر جوں ہی وہ میرے سامنے آجاتی ہے اور میری نگاہ اس کے روکھے پھیکے چہرے دھنسی ہوئی آنکھیں پچکے ہوئے گالوں پر بے رونق آنکھوں سوکھے ہوئے ہونٹوں اور بے چمک دانتوں پر پڑتی ہے تو سارا جذب اور کشش جو باتیں سنکر پیدا ہوا تھا رخصت ہو جاتا ہے کہنے لگے اس کی ذمہ دار میری بیوی ہی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ اپنا سارا وقت یا تو کتب بینی میں صرف کر دیتی ہے یا پھر گھر کی صفائی میں۔ اس نے اپنی صحت جسمانی کی کبھی پرواہ نہیں کی اسکا نتیجہ یہ ہے کہ میری نگاہیں اپنے لطف و مسرت کے سامان کہیں اور تلاش کرتی ہیں۔ جسے میں ہر طرح برا اور گناہ جانتا ہوں۔

ہندوستان کے وسط میں ایک بڑی اسلامی ریاست ہے جسکا نام بھوپال ہے وہاں کی حکمراں نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ مرحومہ بڑی دانشمند اور مصلح گذری ہیں اُن کی کسی کتاب میں میں نے پڑھا ہے وہ عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ عورتوں کو خواہ امیر ہوں یا غریب اپنے گھر کے اکثر کام اپنے ہاتھ ہی سے کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مگر میں انکو چولھا پھونکنے سے جہاں تک ہو سکے پرہیز کرنے کی ہدایت کرونگی کیونکہ آگ کی تپش سے رفتہ رفتہ چہرے کی جلد جلکر سیاہ اور بدرونق ہو جاتی ہے اور اس کا وہ رنگ و روغن جو اس کے شوہر کی نگاہوں کو اپنی طرف کھینچتا تھا غائب ہو جاتا ہے۔

میں اس کے متعلق یہ رائے رکھتا ہوں کہ غریب یا متوسط خاندان کی عورتوں کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ چولھے کی تپش سے الگ رہیں۔ ہاں ایک بات ضرور قابل عمل ہے وہ یہ کہ عورتوں کو روٹی پکاتے ہوئے آگ کے قریب منہ لیجا کر چولھا نہ پھونکنا چاہیئے بلکہ ان کو پولے بانس یا لوہے کی نلکی پھکنی رکھنی چاہیئے۔ اور اسی سے کام لینا چاہیئے۔ راجپوتانہ اور دیگر صوبوں میں ان پھکنیوں کا عام رواج ہے جہاں نہ ہو وہاں ان کی رائج کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ دوسری ایک ترکیب اور بھی ہے وہ یہ کہ چولھے کے پاس جانے سے قبل چہرے پر روغن زیتون یا موم روغن مل

لینا چاہیئے۔ اس سے چہرے کی جلد پر آگ کی گرمی کا اثر نہ ہوگا۔ چولھے سے فارغ ہوکر صابن سے منہ دہولینا کافی ہوگا۔

ہاں ایک بات اس سلسلے میں اور بتا دینی ضروری ہے وہ یہ کہ عورتوں میں صابن سے ہاتھ منہ دہونے کا رواج بڑھتا جاتا ہے اور اُن کو یہ خبر نہیں کہ چند خاص قسم کے صابونوں کو چھوڑکر سب ایسے ہیں کہ وہ جلد کی قدرتی چکناہٹ اور رونق کو فنا کر دیتے ہیں اور ان سے بجائے نفع پہنچنے کے نقصان ہوتا ہے گھٹیا قسم کے سستے صابن کاسٹک سوڈا سے بنتے ہیں اور وہ جلد کی نرمی کو کھا جانیوالا ہے۔

لہذا میں عورتوں کو مشورہ دونگا کہ وہ ہندوستانی قسم کے پرانے اُبٹنے بنا کر رکھیں اور کبھی کبھی اُن سے منہ دہولیا کریں یا سارے بدن پر ملکر اس سے غسل کرلیا کریں۔ دیسی چیزیں ارزاں بھی ہیں اور مفید بھی۔

دیسی ابٹنے کے نسخے سب کو معلوم ہیں بھنی ہوئی زرد سرسوں پیسکر سفوف کرلی جائے اور اس میں خوشبو کے لئے چمبیل چمبیلا ناگرموتھہ۔ کپور کچری۔ ہلدی وغیرہ ملانا چاہیئے یا اگر دل چاہے تو کسی قسم کا سینٹ یا عطر بھی ملایا جاسکتا ہے۔

ہاتھ

عورت کے ہاتھ کے متعلق مجھے صرف اتنا لکھنا ہے کہ چہرے کی طرح ہاتھ بھی جسم نسوانی میں بڑا اہم عضو ہے۔ جہانتک ممکن ہو اس کو صاف نرم اور خوشنما رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ غریب اور متوسط درجہ کے گھروں کی عورتیں گھر کے سخت سخت اور بھدے سے بھدے کام اپنے ہاتھوں ہی سے کرتی ہیں اور کرنے چاہئیں جس سے ان غریبوں کے ہاتھ موٹے کھردرے اور بدرنگ ہوجاتے ہیں۔ میں یہ تو کہہ نہیں سکتا کہ عورتوں کو اپنے گھر میں جھاڑو دینی چاہیئے یا گھر کے برتن نہ مانجھنا چاہیئے یا مصالحہ نہ پیسنا چاہیئے وغیرہ وغیرہ) مگر یہ ضرور کہونگا کہ ان کاموں کو کرتے وقت ہاتھوں کے قدرتی حسن کی جہانتک ہوسکے حفاظت کرنی چاہیئے اور اس طرف سے غافل نہ ہونا چاہیئے جس طرح میں نے سنا کہ ایک عورت گھر کے برتن راکھ سے رگڑتے وقت ہاتھ میں چمڑے کا دستانہ پہن لیا کرتی تھیں۔ میں نے اپنے ایک ہندو دوست

کو کہتے سنا کہ میں اپنے گھر کے اور خرچوں میں کفایت کر لوں گا مگر برتن مانجھنے والا ایک نوکر ضرور رکھوں گا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری بیوی کے خوبصورت اور نرم ہاتھ برتن کو رگڑتے رگڑتے بھدے بدنما اور خراب ہو جائیں۔

اگر خوشبودار ویسلین عورتیں اپنے ہاتھوں پر خصوصاً سردی کے موسم میں کبھی کبھی مل لیا کریں تو ہاتھوں کے قدرتی حسن کو تباہی سے ایک حد تک بچا سکتی ہیں۔

ہاتھوں میں بعض بدمذاق دیہاتی عورتیں طرح طرح کے زیور اور بہت سی چوڑیاں پہنکر بلا وجہ بھدا بنا لیتی ہیں۔ اس سے بھی شعوردار عورتوں کو بچنا چاہیے ہاتھوں کو بالکل ننگا رکھنا تو ہندوستانی مذاق کے خلاف ہے۔ صرف کلائیوں میں دو دو ہلکی چوڑیاں یا کوئی ایک آدھ ایسا ہی زیور کافی ہے۔ انگلیوں کو چھلے آرسی کی بھرمار سے بچانا ضروری ہے۔ ایک آدھ خوبصورت انگشتری کا مضائقہ نہیں۔

کف دست کو مہندی یا کسی اور رنگ سے رنگنا آج کل کے مذاق میں دیہاتی پن ہے لحاظ رہے کہ ناخون نہ بڑھنے پاویں۔

زیور

زیور کا شوق ہندوستانی عورتوں میں خود بخود کم ہو رہا ہے۔ اس کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اس سے قبل تو سمجھدار مرد بھی اس وجہ سے زیور کے حامی تھے کہ اس کے ذریعہ سے ایک قسم کی روپیہ پیسے کی بچت ہو جاتی تھی اور ضرورت کے وقت لوگ رہن یا فروخت سے کام چلا لیا کرتے تھے لیکن اُن کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی ہے کہ زیور رکھکر اس کی حفاظت کی بلا کو بلا وجہ اپنے سر پر مسلط کر لینا چاہیے چوریاں ہوتی ہیں ڈاکے پڑتے ہیں کھوئے جاتے ہیں گھس گھس کر بدن کا میل بنجاتے ہیں۔ اگر سب بلاؤں سے بچے رہے تو فروخت کرتے وقت روپے کے بارہ آنے ہو جانا یقینی ہے سناروں کی چالاکیاں دغابازیاں علیحدہ ہیں۔ اس لئے جس کو خدا نے روپیہ بچانے کی

توفیق دیتا ہے وہ پوسٹ آفس سیونگ بنک میں حساب کھول دیتے ہیں اس میں سے جب چاہو نکال سکتے ہو زیور کے رہن کرنے اور فروخت کرنے میں تو ایک طرح کی سُبکی اور بدنامی بھی ہے۔

زیور کی برائیاں لکھنے کے بعد مجھے یہ اور کہہ دینا چاہیئے کہ زیور کے بالکل نہ پہننے کی قسم کھانا بھی محض یورپ کی اندھی تقلید ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ وہ خاندان جو روپیہ بچانا کسی اور طرح جانتے ہی نہیں اُن کو تو زیور ہی اچھا ہے کہ بلا سے اس بہانہ کچھ تو پس انداز ہو جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ عورت و مرد میں فرق و امتیاز پیدا کرنے کے لئے بھی چند زیور کا استعمال ضروری ہے۔

خلاصہ یہ کہ اعتدال بڑی چیز ہے اسی کا نام صراط مستقیم ہے۔ اسی کی دعا ہر نماز میں مسلمان مانگتا ہے۔ نہ زیور لادنا اچھا ہے اور نہ زیور سے قطعی نفرت اچھی چیز ہے۔

ورزش

ابتک میں نے جو لکھا ہے وہ سارے کے سارے بیکار ہیں اگر عورت کی عام صحت اچھی نہیں اور اس کے سارے اعضا قدرتی تناسب کے نہ ہوں۔ یعنی یہ کہ ہر عضو اتنا ہی دبلا یا پتلا ہو جتنا کہ چاہیے کیونکہ تناسب اعضا ہی کا نام حسن یا خوبصورتی ہے اور تناسب اعضا بغیر ورزش یا کسرت کے ممکن نہیں۔ قدرت الٰہی کی منشا یونہی معلوم ہوتی ہے کہ انسان کی اسی میں خیر ہے کہ وہ قدرت کے دئیے ہوئے ہر عضو کو کام میں لاتا ہے بیکار نہ رکھے اسی کا نام ورزش ہے دودھ پیتا بچہ تو کوئی کام نہیں کر سکتا۔ مگر قدرت اُسے بھی حکم دیتی ہے کہ سُست نہ پڑے رہو ہاتھ پاؤں ہی مارتے رہو۔ غور کرنے والی عورتیں غور کریں کہ آخر اس میں کون قوت ہے کہ شیر خوار بچہ بلا وجہ ہاتھ پاؤں پھینکتا رہتا ہے اور آخر میں تھک کر سو جاتا ہے۔

لہذا عورتوں کو دنیا کے ہزاروں دھندوں کے ہوتے ہوئے بھی ورزش کو بیکار چیز نہ سمجھنی چاہیئے۔ یہ بات سچ ہے کہ غریب اور متوسط گھرانے کی بیویوں

کو گھر کے کام کاج میں اتنا چلنا پھرنا اور ہاتھ پاؤں ہلانا پڑتا ہے کہ ان کو تندرستی کیلئے کسی مزید ورزش کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مگر اب بھی ہندوستان میں لاکھوں عورتیں ایسی ہیں کہ چارپائی توڑنے اور چھالیا کترنے کے سوا کچھ نہیں کرتیں اور اسکی وجہ سے ان کے جسم موٹے بھدے اور ہر عضو بے ڈول ہو کر ان کے نسوانی حسن کا جنازہ نکال چکے ہیں۔ وہ غریب اس سے واقف نہیں کہ ان میں اپنے شوہر کی کشش کرنے کی قوت کیوں زائل ہو گئی ہے وہ ان سے کیوں مخاطب نہیں ہوتا۔ اور اپنا سامان تفریح دوسری جگہ کیوں تلاش کرتا پھرتا ہے۔ ایسی بیویوں کی میں اصلاح نہ کر سکوں سہی مگر اس راز سے نئی لڑکیوں کو تو خبردار کر دوں کہ تمہاری خوبصورتی کی خیر تمہاری تندرستی میں ہے اور تمہاری تندرستی تمہارے معدے اور اس کے قوت ہاضمہ کے قبضے میں ہے اور یہ قبضہ ورزش کے ہاتھوں میں ہے ورزش کے معنی محنت کے سمجھ لو تو بات کے سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

مردوں کو تو باہر کچھ نہ کچھ محنت کے کام کرنے ہی پڑتے ہیں۔ البتہ منشی کلاس کے لوگ دن گھر بیٹھے رہتے اور دو ماشہ کا قلم اٹھانے کے سوا کوئی کام محنت کا نہیں کرتے۔ کچہری سے جب گھر آتے ہیں تو پیدل چلنے کے بجائے یکہ تانگہ میں بیٹھ جاتے ہیں جس سے وہ طرح طرح کے بیمار ہو کر قبل از وقت دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں

ان لوگوں کے علاوہ اور مردوں کو تو قدرتی طور سے کچھ نہ کچھ محنت کرنی پڑتی ہے کوئی بوجھ اٹھاتا ہے کوئی ہتوڑے چلاتا ہے کوئی چلتا رہتا ہے۔ ان میں سے جو امیر ہوتے ہیں وہ اس ورزش کی قدر جانکر ٹینس۔ کرکٹ اور فٹ بال سے کام چلاتے ہیں۔ ہندوستانی پرانے فیشن کے لوگ بوڑھے بوڑھے انگریزوں کو کھیلتا ہوا دیکھکر ہنستے ہیں۔ کیونکہ یہی پڑھا گیا ہے کہ "بازی کردن کار طفلان است" کھیلنا بچوں کا کام ہے۔ لیکن ان کو پتہ نہیں کہ ورزش کی ان کے لئے بھی ضرورت ہے اور ورزش کے بغیر وہ تندرست رہ نہیں سکتے۔ بعض نوجوان امرا شکار ہی وجہ سے کھیلتے ہیں کہ اس حیلے سے ان کو بھاگنے دوڑنے کا موقع مل جاتا ہے

خیر وہ تو مردوں کا ذکر تھا اب مجھے بتانا ہے کہ عورتوں کو اپنے متناسب اعضاء کو برقرار رکھنے یا دوسرے لفظوں میں اپنی خوبصورتی کی حفاظت کیلئے

کون سی ورزش کرنی چاہیئے۔ اس لئے میں مضمون کو طوالت سے بچا کر صرف یہ کہتا ہوں کہ لڑکیوں یا عورتوں کو اپنے گھر کے کام خصوصاً وہ کام جن سے جسم کے اعضاء کو تکان ہوتا ہے خود کرنے چاہئیں۔ اگرچہ اُن کے گھر میں نوکرانیاں ہی لگی ہوں۔ مثلاً اگر گھر کے چار دیواری کے اندر کنواں ہو تو پانی نکالنے کی کوشش کریں سل پر مسالہ خود پیسیں سامان ادھر سے ادھر خود اٹھا کر دھریں وغیرہ وغیرہ۔

وہ عورتیں جن کا سوشیل پوزیشن (سماجی درجہ) اتنا بلند ہو گیا ہو کہ اُن کے پاس پلنگ پر بیٹھے رہنے کے سوا کوئی کام نہیں ہو تو اُن کے صحن خانہ میں ایسے پردہ دار ٹینس کورٹ موجود ہیں جہاں بہت سی ہم رتبہ عورتیں کھیل سکتی ہیں تو کوئی عیب کی بات نہیں ہے مطلب تو یہ ہے کہ کسی طرح جسم کے اکثر اعضا محنت میں مبتلا ہوں پسینے سے مسامات کھلیں اور بدن ہلکا ہو بھوک خوب لگے ہاضمہ ترقی کرے۔ اگر یہ موقع حاصل نہیں ہے تو پھر پردہ نشین عورت کو اپنی تنہائی کے کمرے میں وقت مقررہ پر دس منٹ کوئی نہ کوئی ورزش ضرور کر لینی چاہیئے کچھ نہ ہو سکے چارپائی کی پٹی پکڑ کر آدھے گھنٹے تک اس طرح کودنا چاہیئے جس طرح کوئی دوڑ رہا ہو یا ڈمبل منگا کر ان کے سپرنگ دبانے اور کھولنے چاہیئے۔ اگر موقع ہو تو صحن خانہ میں یا چھت پر کم از کم ایک گھنٹہ اتنا ٹہلنا چاہیئے جس سے جسم پسینا پسینا ہو جائے۔ قصہ مختصر یہ کہ عورتوں کے لئے ورزش بڑی ضروری چیز ہے۔ اس کے بغیر عورتوں میں صدہا قسم کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور اگر بیماری نہ بھی ہو تو جسم ضرور بھدا اور بے ڈول ہو جاتا ہے۔ ورزش کرنے والی عورتوں کے پیٹ بڑھنے نہیں پاتے بازو اور پنڈلی کی مچھلیاں سخت رہتی ہیں اور ہاتھ پاؤں سڈول رہتے ہیں اور اسی کا نام خوبصورتی یا حسن ہے۔

میرے خیال میں جسمانی عملیات میں کافی لکھ چکا ہوں مستقل ہوش والی عورتوں کے لئے اتنے اشارے کافی ہیں۔ اس کے بعد اب مجھے دوسرا باب اخلاقیات کا شروع کرنا ہے کیونکہ کسی کا جسم کیسا ہی خوبصورت ہو اگر اخلاق عادات اور خصائل اچھے نہ ہوں تو سب بیکار ہے یا جسم کا حسن نو قافی ہے کیسا ہی کچھ کر دو۔ کچھ وقت پر تنزل ہو ہی جاتا ہے لیکن

اخلاقی حسن کبھی فنا نہیں ہوتا۔ اس کی خوبصورتی زندگی تو زندگی مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔

یہ بات لکھنے کو رہ گئی کہ دنیا اب ورزش کی خوبیوں سے واقف ہوتی جاتی ہے اور لڑکیوں کے دینی مدرسوں میں آٹا پیسنے کی چکیاں نصب کی جا رہی ہیں اور لڑکیوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ ہر روز سیر بھر گیہوں ضرور پیسا کریں۔ ایک مولانا کا مشورہ ہے کہ ہر لڑکی پچاس رکعت نفل ہر روز کھڑی ہو کر پڑھا کرے تا کہ ثواب کا ثواب ہو اور کافی ورزش بھی ہو جایا کرے۔

دوسرا باب

اخلاقی عملیات

کسی کو کرے یا کسی کا سوچا

مندرجہ بالا عنوان ایک ضرب المثل کہاوت ہے جو عام طور سے دیہات اور قصبات میں لوگوں کی زبان پر ہے مگر جب میں نے اس کے الفاظ پر غور و تعمق کی نگاہ ڈالی تو مجھے اس میں اخلاقیات کے سمندر لہریں مارتے ہوئے نظر آئے یہ کہ خواہش ہے کہ دنیا کا ہر شخص سونے اور چاندی کے لوح پر اس حقیر اور مختصر فقرے کو کندہ کرا کے گلے میں پہن لے اور دن میں کئی بار پڑھ لیا کرے اور سمجھ بھی لیا کرے اور عمل کی کوشش بھی کرے تو دنیا کی نا اتفاقیاں، نا چاقیاں، شکر رنجیاں، عداوت، پھوٹ، بغض اور کدورتوں کا خاتمہ ہو جائے۔

اب مجھے اپنے دعوے کے ثبوت میں اس ضرب المثل کے معنی سمجھانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ مشہور ہے کہ کسی سلطنت میں دو بادشاہ راج نہیں کر سکتے اگر کہیں ایسا ہو تو لڑائیاں ٹھنیں گی سر کٹیں گے اور رعایا کو تباہ و برباد

کریں گے کیونکہ ہر بادشاہ اپنی بات اپنا وقار اور اپنا دبدبہ چاہیگا اور اپنی ملکیت اور آزادی کو دوسرے کے ماتحت کرنا پسند نہ کریگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیشہ جنگ رہیگی اور جبتک دو میں سے ایک فنا نہ ہو جائے یہ فتنہ فرو نہ ہوگا۔

اب اسی اصول اور قانون کو سامنے رکھکر دنیا کی سرپرستی اور ماتحتی کی جانچ کیجائے اسی ضرب المثل پر عمل کرنے سے امن و امان باقی رہ سکتا ہے۔

بادشاہ کا وزیر دو طرح سے اپنے عہدہ جلیلہ پر رہ سکتا ہے یا تو وہ سلطنت کا کام اس خوبصورتی سے چلانے کی قابلیت رکھتا ہو کہ اس کا بادشاہ سمجھ لے کہ اس وزیر کے بغیر مرا کام چل ہی نہیں سکتا۔ ایسی حالت میں بادشاہ وزیر کا بن جائیگا۔ یعنی وزیر نے اپنی محنت جانفشانی خیرخواہی وفاداری اور دیانت سے اپنے بادشاہ کو اپنا کر لیا دوسرے لفظوں میں یوں کہدو کہ بادشاہ کو اپنا فرمانبردار بنا لیا کیونکہ ایسی حالت میں بادشاہ وزیر کی کسی بات کو رد نہ کریگا اور وزیر کو بالکل خود مختار بنا دیگا۔ اب دوسرا حالت پر غور کرنا چاہیئے۔ اگر وزیر کی قابلیت اس اعلیٰ پیمانہ پر نہیں پہنچی تو پھر وزیر کی اس میں خیر ہے کہ بادشاہ کی حکم کی تعمیل میں جان لڑا دے اور چون و چرا کو ذرہ بھی دخل نہ دے۔ اور محنت و وفاداری سے کام کئے جائے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وزیر میں بادشاہ کو اپنا کرنے کی قابلیت نہیں مگر وہ بادشاہ کا ہو گیا گویا کسی کو کر نہ سکا مگر کسی کا ہو گیا۔ لہذا کام چل رہا ہے بادشاہ وزیر کو اس وجہ سے پسند کرتا ہے کہ وہ حکم کی تعمیل میں کسر نہیں کرتا اور اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کرتا بلکہ بادشاہ کے حکم کا بندہ ہے۔ اب اسی اصول پر میں میاں بیوی کے تعلقات پر نگاہ ڈالتا ہوں۔

بیوی وزیر ہے میاں بادشاہ ہے اگر بیوی چاہتی ہے کہ میاں میرا تابعدار ہو جائے اور وہ وہی کرے جو میں چاہوں تو پھر بیوی کو میاں کی تمام ذمہ داریاں دقتوں اور مصیبت کا بوجھ اپنے سر لینا ہوگا۔ میاں کی لائی ہوئی آمدنی کو اپنی عقل و شعور سے ایسی کفایت شعاری سے خرچ کرے گی کہ میاں بے فکر رہیگا۔ میاں کی مملوکہ چیزوں کی حفاظت میں ایسی جان کھپائے گی کہ ایک تنکا ضائع نہ ہونے دیگی قصہ مختصر یہ کہ اپنے حسن انتظام اور قابلیت سے میاں کو سب طرف سے بے فکر کر دیگی تو ایسی ہی عورت کو کہا جاسکتا ہے کہ اس نے میاں کو اپنا کر لیا۔ اب میاں کو

بیوی کی طرف سے لاکھ بدظن کرے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوگا اور کسی کی نہ سنے گا اور وہی کرے گا جو بیوی مشورہ دیگی۔ یہ کیوں وہ اس وجہ سے کہ میاں کو اسی میں آرام ہے۔ ایسی مثالیں اس وقت بھی ہزاروں موجود ہیں کہ میاں اپنی کمائی بیوی کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں اور خود خانہ اور خانہ داری کے جھگڑے سے آزاد ہو جاتے ہیں اور کسی معاملہ میں دخل نہیں دیتے وہ جانتے ہیں کہ بیوی دانشمند اور دوراندیش ہے جہاں پیسے کی ضرورت ہوگی وہاں دھیلا خرچ کریگی۔ دیگر ضروریات کو کسی نہ کسی طرح پورا کر دیگی۔ مجھے نہ ستائے گی۔ ایسے شوہروں کو بعض لوگ طنزاً زن مرید کا خطاب دیتے ہیں مگر وہ سنتا ہے اور ٹال دیتا ہے۔ وہ کیا کرے اس کو اسی میں آرام ہے کہ زن کا پیر نہ بنے بلکہ مرید ہو کر رہے کیونکہ پیر بنتے ہی ساری ذمہ داریاں سر پڑ جائیں گی۔

شوہر کی عادتوں کا مطالعہ

عقلمند لڑکی جب بیاہ کر نئے گھر میں جاتی ہے تو سب سے پہلے شوہر کی عادتوں کو غور سے مطالعہ کرتی ہے اس کے مذاق کا پتہ لگاتی ہے اور اس کو رفتہ رفتہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسکا شوہر جس کے ساتھ اس کو عمر کاٹنی ہے کن باتوں کو پسند کرتا ہے بس عورت کو اپنی عادتوں کو بالکل شوہر کی عادتوں سے ملا دینے کی کوشش کرنی چاہئے ورنہ اختلاف گڑبڑ ڈالے بغیر نہ رہیگا اور آخری نتیجہ خراب نکلے گا۔

مثال میں میں ایک بات لکھتا ہوں ایک دفعہ ایک شوہر نے مجھ سے کہا کہ خدا کے فضل سے میری بیوی خوبصورت ہے پڑھی لکھی بھی ہے۔ مگر مجھ سے اسکی بنتی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ عادتوں میں بڑا اختلاف ہے اور نہ میں اس کی عادت اختیار کر سکتا ہوں اور نہ وہ مجھ جیسی بننے کی کوشش کرتی ہے۔ کہنے لگے میں علی الصباح اٹھنے کا عادی ہوں وہ جب تک سورج سر پر نہ آجائے اٹھنے کا نام نہیں لیتی۔ جب میں کہتا ہوں کہ جلدی اٹھا کرو تو نہایت لاپرواہی سے کہتی ہے کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا ہم تو بچپن سے اسی وقت اٹھنے کے عادی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ میں نے لڑکی کی ماں کو خبر دی انہوں نے لڑکی کو بلا کر سمجھایا کہ تمہاری اسی میں خیر ہے کہ اپنے آپ کو شوہر میں مدغم کر دو۔ تم یہ سمجھ لو کہ میں

تو اسی لئے پیدا ہوئی ہوں کہ شوہر کی راحت کا سامان بنوں۔ بارے لڑکی تھی پڑھی لکھی سمجھ گئی اور اس نے ماں کی نصیحت پر چلنا شروع کر دیا۔ میں نے چند روز کے بعد اسی شوہر کو کہتے سنا کہ میں اب اپنی بیوی کے ہر حکم ماننے پر تیار ہوں کیونکہ اس نے میرا ہر حکم مانا ہے اور یہ اخلاقی معاوضہ ہے کہ مجھے اس سے دینا چاہیئے ورنہ میں گنہ گار ہوں گا۔

دوسرا قدم

جب خدا کے فضل و کرم سے بیوی اپنے شوہر کو راضی رکھنے میں کامیاب ہو جائے یا یہ کہ شوہر اُسے چاہنے لگے تو عورت کو مغرور نہ ہو جانا چاہیئے اور دل میں یہ نہ سمجھ لے کہ "میاں بھی کو قوال اب ڈر کاہے کا"، بلکہ اُسے چاہیئے کہ اس بات کا پتہ لگائے کہ اسکا شوہر اپنے خاندان کنبے میں کس کس کو چاہتا ہے۔ کس کا ادب کرتا ہے اور کس کس سے اچھا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ بیوی کو بھی انہیں لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ورنہ خوف ہے کہ انہیں میں سے کوئی شوہر کے کان بھرنے شروع کر دیگا۔ اور ایک دن نتیجہ خراب نکلے گا۔ مثلاً شوہر اگر اپنی ماں کی خدمت کرتا ہے ادب کرتا ہے خوش رکھنا چاہتا ہے تو بیوی کو چاہیئے کہ شوہر سے زیادہ ساس کی فرمانبرداری کرے۔ ورنہ معاملہ بگڑ جائیگا۔ اسی طرح شوہر کی بہنوں اور بھائیوں کے متعلق رائے دی جاسکتی ہے کیونکہ قانون خلاق یونہیں واقعہ ہوا ہے۔ اگر بیوی اپنے شوہر کے چہیتوں کو نہ چاہیگی تو شوہر کے دل پر میل آجیگا۔

میں نے دیکھا کہ بعض ایسی بیویاں بھی ہیں جو اپنے شوہر کی فرمانبرداری میں تو کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتیں لیکن ساس نند اور دیور جیٹھ سے اُن کی نہیں بنتی جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شوہر کا دل بیوی کی طرف سے صاف نہیں ہوتا اس لئے عورت کا خصوصاً ہندوستانی عورت کا جس کو اکثر ساس نندوں میں گذر کرنا پڑتا ہے بڑا فرض یہ بھی ہے کہ وہ محض میاں کی رضامندی پر قناعت نہ کرلے بلکہ میاں کے لواحقین کو خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ اس میں

شک نہیں کہ بعض ساس نندیں بھی زہر کی بجھی ہوتی ہیں اور غریب بہو سے کسی طرح راضی ہوتی ہی نہیں مگر بہو کو یہاں بڑے صبر سے کام لینا چاہیئے۔ بہو کو جاننا چاہیئے کہ یہ ساس نند یا دیورانی جیٹھانی چند روزہ ہیں۔ اس کے بعد بہو خود بخود آزاد ہو جائے گی۔ ناحق کو کیوں بدنام ہو اور جس طرح بنے نباہ لے جائے۔ پھر خدمت اور خوشامد تو ایسی چیزیں ہیں جو لوہے کو موم کر دیتی ہیں۔ انسان کا دل تو اس سے بہت نرم اور کمزور ہے کیسے نہ راضی ہوگا۔ جو بہوئیں ساس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتیں وہ خدا کی بھی گنہگار ہیں۔ اُن کو جاننا چاہیئے کہ ماں نے بیٹے کو کس کس مشکل سے پالا بڑا کیا۔ کس شوق سے بیٹے کا بیاہ کیا کس چاؤ سے بہو کو گھر میں لائی۔ آج اگر اس کی بہو اس کی فرمانبرداری نہیں کرتی تو اس کا ناراض ہونا قدرتی بات ہے پھر بہو کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہی وقت کل اس کے لئے تیار ہے۔ اگر خدا نے عوض میں اسکو بھی ایسی ہی نافرمان بہو دی تو پھر کیسے بنیگی۔ اس لئے بھلا کر بھلا ہو کا مقولہ پیش نظر رہے۔

ہاں ایک بات

اور یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ عورت کا یہ بھی فرض ہے کہ اس کا بھی پتہ لگائے کہ اس کے شوہر کے دشمن کون کون ہیں تاکہ کبھی غلطی سے وہ ان سے دوستی نہ کرے۔ اس کا اثر بھی بہت برا پڑتا ہے۔ البتہ اگر اس قسم کا معاملہ آپڑے کہ شوہر کی ناراضگی واجبی ہو اور اللہ کے روبرو گنہ گار ہونے کا خوف ہو تو حکمت عملی سے کام لینا چاہیئے مثلاً بعض نامعقول بیٹے اپنی ماؤں سے لڑتے ہیں اور ان سے نہیں بنتی ایسی حالت میں بہو کو چاہیئے کہ شوہر کو سمجھا بجھا کر ماں کی خدمت پر مائل کرے اور یہ نہ کر بیٹھے کہ شوہر کو خوش کرنے کی غرض سے خود بھی ساس کی خبر لینا شروع کردے بلکہ یوں کرے کہ ساس کی خدمت خفیہ کرتی رہے اور شوہر کو سمجھائے کہ ماں آخر ماں ہے اگر وہ بری بھی ہے تو بھی ہمارا فرض ہے کہ اس کی خدمت سے دست کش نہ ہوں یہ بھی سمجھائے کہ اگر آپ کی ماں جگہ جگہ اپنی بدسلوکی کا ذکر کرتی پھریگی تو ہم بہو سب سے پہلے بدنام ہونگی۔ کیونکہ لوگ یہی کہیں گے کہ بہو کی شرارت سے بیٹا نافرمانی کر رہا ہے۔

اس کے بعد اگر اڑوس پڑوس یا خاندان رشتے میں اگر کسی سے شوہر سے یا شوہر کی ماں بہن سے ان بن ہے تو عورت کا فرض ہے کہ ان سے میل نہ رکھے کیونکہ اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ مثل مشہور ہے دوست کا دوست اور دشمن کا دوست بھی دشمن۔ بعض ناعاقبت اندیش عورتیں سسرال میں جاکر اسکا لحاظ نہیں کرتیں اور مفت میں بدنام ہو جاتی ہیں۔

ایک سوال یہاں اور پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیوی میں اچھی عادت ہو اور اسکے مقابل میں شوہر میں بری ہو تو ایسی حالت میں بیوی کو کیا کرنا چاہیئے مثلاً بیوی صبح اٹھنے اور نماز صبح کی عادی ہو اور شوہر آٹھ بجے پہلے بستر سے نہ اٹھتا ہو تو ایسی حالت میں بیوی کو کیا کرنا چاہیئے۔ کیا وہ بھی صبح اٹھنا چھوڑ دے اور تارک الصلوٰۃ بھی ہو جائے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا تو ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن بیوی کی تعریف یہ ہوگی کہ وہ رفتہ رفتہ شوہر کو اپنے رستے پر لگا دے اور اگر ناکامی نظر آئے تو اسی کے حال پر چھوڑ دے۔ زیادہ تعارض نہ کرے اور کسی سخت جملہ یا الفاظ میں شوہر پر اعتراض نہ کرے کیونکہ اس سے خوف ہے کہ شوہر کی ضد بڑھ جائے گی۔

ایک دلچسپ فسانہ

کسی اہل قلم نے اپنا واقعہ فرضی فسانہ کی صورت میں ایک سالہ میں لکھا تھا وہ مجھے تھوڑا سا یاد ہے میں ضرورت سمجھتا ہوں کہ یہاں لکھ دوں کیونکہ اسکا تعلق میری اس کتاب کی منشا سے بہت کچھ ملتا ہے۔

فسانہ آلو کا بھرتا

ایک نوجوان امیرزادے کی ماں باپ نے شادی کردی جو لڑکی بیاہ کر آئی وہ اچھے معزز خاندان کی تھی۔ بڑی خوبصورت خوب پڑھی لکھی۔ سنہرا اچھی عادتوں والی تھی مگر میاں پہلے ہی سے بری صحبتوں میں بگڑے ہوئے تھے اُن کی دوستی ایک طوائف سے تھی۔ اس زن بازاری نے امیرزادے کو ایسا اُلو بنا رکھا تھا کہ جان و مال فدا کرنے پر ہر وقت تیار رہتے تھے اور ایسی نیک خصلت خوبصورت بیوی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے مگر اس بشر اپنے الو کی کو

کچھ اللہ میاں نے ایسی عقل دیدی کہ وہ شوہر کی خدمت میں کسر نہ کرتی اور نہ اپنے حرکات وسکنات سے یہ ظاہر ہونے دیتی کہ وہ اپنے شوہر کی بیوفائیوں سے ناراض ہے بلکہ ایسی بھولی بنی رہتی تھی کہ گویا اُسے کچھ خبر ہی نہیں ہے۔

آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ احمق شوہر صاحب طوائف کو گھر پر لا کر رکھتے اور ساری رات گانا بجانا تاش اور شطرنج کھیلتے اور قسم قسم کی تفریحوں میں گذارتے اور شریف لڑکی کا صرف یہ کام رہتا کہ وہ گھر میں سے پان بنا بنا کر خاصدان میں رکھکر بھیجتی رہتی۔ ایک روز میاں نے شریف بی بی کو ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے رات کو حکم دیا کہ کھانا پکا دو کیونکہ اُن کی دوست طوائف اتفاق سے گھر سے بھوکی آئی ہے۔ شریف بیوی نے کہا کہ آپ نے بیوقت کہا اگر ذرہ دیر پہلے حکم دیتے تو سب کچھ گھر میں تھا۔ اب تو سب نے کھانا پی کر ٹھکانے لگا دیا۔ بازار بھی بند ہوگئے۔ میاں نے کہا کچھ بھی ہو تمہاری ہوشیاری اسی میں دیکھنی ہے کہ مہمان کو بھوکا نہ سونے دو۔ شریف بی بی بستر سے اُٹھیں پراٹھے پکائے اور آلو کا بھرتا بنا دیا۔ بھرتے میں دودھ کی ملائی جو گھر میں تھی اور بادام چھیل پیسکر ملا دئیے جس سے وہ بھرتا بیحد لذیذ ہوگیا۔ کھانا باہر گیا تو سب نے خوب مزے لے کر کھایا۔ طوائف کو آلو کا بھرتا اسقدر پسند آیا کہ وہ امیرزادے صاحب سے فرمائش کر بیٹھی کہ میں چاہتی ہوں کہ ایسا بھرتا روز میرے دسترخوان پر گھر پہنچ جایا کرے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ میاں کا حکم فرشتہ خصلت بیوی کو ملا اور وہ برابر تعمیل کرتی رہی یعنی ہر روز ایسی ذائقہ کا آلو کا بھرتا بنا کر قاب میں رکھکر میاں کو دیدیتی وہ خود لیجا کر دیتے اور طوائف اور اس کے لواحقین مل کر کھاتے اور تعریف کرتے۔

شریف بی بی کی ایک نند تھی وہ اپنے بھائی کی ان حرکتوں کی دل سے بیزار تھی اور اپنی بھاوج سے کہتی کہ تم کیسی ہو تم کو کچھ خبر ہے کہ بھائی جان کہاں رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں اور یہ تم کس کو کھانا پکا پکا کر بھیجا کرتی ہو اس کے جواب میں شریف بھاوج یہ کہتی کہ میں تو حکم کی بندی ہوں مجھے کیا خبر ہے کہ کھانا کہاں کہاں جاتا ہے اور کون کھاتا ہے میں

کیوں پوچھوں۔ ایک روز اتفاق کی بات کہ شریف بی بی کو بازار سے ملائی منگانی یاد نہ رہی اور نہ گھر میں بادام تھے جو بھرنے میں ڈالے جاتے اس لئے اس نے سادہ آلو کا بھرتا بنا کر بھیج دیا۔ طوائف نے کھایا تو اسے لذت نہ ملی اور ملتی کہاں سے وہ تو سارا مزا ملائی اور بادام کا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طوائف بہت ناراض ہوئی اور میاں کے ساتھ بڑی طرح پیش آئی۔ گھر سے نکال دیا۔ یہ اپنے گھر آئے اور بی بی سے شکایت کی اور کہا کہ آج کا بھرتا بالکل بدمزہ تھا۔ شریف بی بی نے کہا معاف کیجئے مسالہ موجود نہ تھا۔ شوہر نے پوچھا کہ آخر وہ مسالہ کون سا ہے اس نے سب بتا دیا۔ شوہر نے پوچھا کہ تم ہر روز کہاں سے منگاتی تھیں۔ میں نے تو تم کو کوڑی پیسے کبھی دیئے نہیں۔ بیوی نے کہا کہ میں نے اپنے ہاتھ کی طلائی چوڑی فروخت کر کے دام منگا لئے تھے وہ سب ختم ہو گئے۔ کل دوسری چوڑی بازار میں بھیجوں گی اور کل سے انشاء اللہ مزیدار بھرتا پہنچا کریگا شوہر نے بیوی کے اس بیان کو بڑی حیرت و استعجاب سے سنا اور وہ کہہ چکی تھی کہا ہیں تم نے چوڑی اپنی شوق کی چیز کیا ضائع کر دی۔ بیوی نے کہا آپ کی خوشی سے چوڑی زیادہ قیمتی چیز نہیں ہے۔ چوڑی تو پھر بنجائے گی آپ کے دل کا ملال پھر کیسے دھویا جاتا۔ میں وہ ہوں جسکو خدا کا یہی حکم ملا ہے کہ شوہر کو راضی رکھے بس میں اس پر کاربند رہونگی۔ چوڑی کی کیا حقیقت ہے جان بھی کسی کام آجائے تو دریغ نہ ہوگا۔ میاں کی حیرت و استعجاب میں اور ترقی ہوئی۔ اس نے کہا اے بھولی عورت مجھے یہ بھی خبر ہے کہ تیری سنہری چوڑی کس کے پیٹ میں گئی۔ بیوی نے کہا ہاں مجھے پتہ ہے کہ کوئی آپ کے دل کو خوش کرتا ہے — پس میرا بھی فرض ہو گیا کہ اس کی خدمت کروں۔ کیونکہ مقصد واحد ہے۔ میں بھی تو آپ ہی کو خوش رکھنا چاہتی ہوں

میاں نے دیر تک سکوت کیا اور کسی گہرے اثر نے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری کرا دیئے۔ وہ بیوی کے قدموں پر سر رکھ کر زور سے چیخا۔ اس کے الفاظ یہ تھے۔ اے جنت کی مقدس حور میں نے بڑا ظلم کیا کہ تیری محبت کی قدر نہ جانی۔ للہ مجھے جلدی معاف کر دے ورنہ میں اگر مر گیا تو سیدھا

جہنم میں چلا جاؤنگا۔ میں اپنے پچھلے گناہوں اور بُری حرکتوں سے توبہ کرتا ہوں اور تجھ سے اور اپنے اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ بیوی نے شوہر کا سر اُٹھا کر اپنے ہاتھوں پر لیا۔ اور بولی ہیں آپ کیا کہتے ہیں کیسا گناہ اور کیسی توبہ۔ میں نے ایسی کون سی بڑی خدمت کی ہے یہ تو محبت کی کتاب کی الف بے (ا ب) ہے

بڑی خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی یہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی

اس کے بعد میاں بیوی ساری عمر ایک جان دو قالب ہو کر رہے اور میاں نے دوسری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

میکے پر فخر

وہ عورتیں جنکی زندگی شوہر اور شوہر کے خاندان کے کنبے کی ان بن رہنے کے باعث تلخ ہے ان میں سے اکثر وہ ہیں جو اپنے میکے یعنی ماں باپ کے بڑے پن پر فخر کرتی ہیں بعض کم عقل اپنے شوہر سے ہمیشہ کہتی ہیں کہ ہمارے ماں باپ کے یہاں سب کچھ ہے تمہارے یہاں کیا دھرا ہے یا یہ کہ مجھے تمہاری یا تمہارے گھر کی پروا نہیں ہے میرے ماں باپ کے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے وغیرہ وغیرہ۔ جس عورت میں یہ دور اندیشی نہ ہو کہ وہ کیا بک رہی ہے بس اس کی قسمت خراب سمجھو وہ کیسی ہی اچھی ہو۔ شوہر اور شوہر کے خاندان بھر کے دل سے اُتر جاتی ہے۔ لڑکی کو کسی طرح اور کبھی اپنے میکے پر غرور دل میں بھی نہ کرنا چاہیئے۔ زبان سے نکالنا تو بڑی بات ہے۔ اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ میری نئی زندگی شروع ہوئی ہے۔ اب اس میں خدا جس حال میں رکھے خوش رہنا ہوگا۔ اگر کبھی ذکر آ جائے تو اسے یہ کہکر ٹال دے کہ وہ غریب میری کیا مدد کر سکتے ہیں انہوں نے مجھے پالا پوسا بڑا کیا پڑھایا لکھایا ہنر سکھایا۔ آخر میں خدا کے حکم سے دوسرے کے سپرد کر دیا۔ اب میں ہوں اور میری تقدیر ہے۔ ہاں اگر اللہ مجھے یہاں خوشی اور اطمینان کی زندگی دیگا تو وہ بھی سنکر خوش ہوں گے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں وہ بیچارے ہی ہوں میرے کس کام کے۔

اس طرح اگر عورت اپنی سسرال سے میکے میں جائے تو ماں باپ

بہن بھائی۔ دوست سہیلی اڑوس پڑوس سے کبھی بھول کر شوہر ساس نند کا دکھڑا نہ روئے۔ اگر وہ وہاں واقعی تکلیف میں بھی ہو تو بیان نہ کرے ورنہ اس کا بڑا نقصان ہوگا۔ ایک تو خود میکے والوں کی نگاہ میں حقیر اور ہلکی ہو جائے گی۔ دوسرے یہ کہ بات چھپی رہتی نہیں کسی نہ کسی طرح سسرال تک پہنچ ہی جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شوہر کے دل میں میل آجائیگا۔

نازک وقت

ایک کتاب میں کسی خیر خواہ نسواں نے لکھا ہے کہ عورت کے لئے ایک ایسا نازک وقت آتا ہے کہ اگر اس کو عقل و شعور سے نہ سنبھالا جائے تو سارا کھیل بگڑ جاتا ہے وہ وقت وہ ہے جبکہ شوہر نوکری چاکری یا دکان یا کسی کاروبار سے تھکا ماندا گھر میں داخل ہوتا ہے۔ بعض نادان عورتیں وقت کی اس نزاکت کو نہیں پہچانتیں اور شوہر کے داخل ہوتے ہی یا تو اس سے کوئی سخت فرمائش کر بیٹھتی ہیں۔ اس کے کسی فعل پر اعتراض الفرض یا دخل در معقولات کرنے لگتی ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرد کا مزاج بگڑ جاتا ہے اور لے دے شروع ہو جاتی ہے اور ذرہ سی بات پر فساد کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ عقلمند بیویاں اس بات کا بڑا لحاظ رکھتی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ مرد باہر سے تھکا ماندہ بھوکا پیاسا۔ حیران پریشان آرہا ہے اس وقت اس کو آرام دینے یا ٹھنڈا کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتی ہیں جب باتوں باتوں میں پتہ لگ جاتا ہے کہ مزاج درست ہے پھر اپنے مطلب کی کوئی بات پیش کرتی ہیں۔ ایک شوہر کا بیان ہے کہ میں اپنے گھر کو جنت اس وجہ سے کہتا ہوں کہ باہر سے کیسا ہی پریشان داخل ہوتا ہوں مگر میری بیوی دس منٹ کے اندر اپنی حکمت عملی سے میرا سارا دکھ بھلا دیتی ہے اگر میں کسی فکر و تشویش کی بات اسے سناتا ہوں تو وہ یہ کہہ کر میری تسلی کر دیتی ہے کہ کوئی فکر نہ کرو انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائیگا ہم کو اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ میں ساری رات بے فکری کی نیند سوتا ہوں اس کے برخلاف ایک دوسرے شوہر کا بیان ہے کہ میں جب تک باہر رہتا ہوں خوش رہتا ہوں

گھر میں داخل ہوا کہ معلوم ہوتا ہے کسی بلا میں پھنس گیا۔ دیکھتا ہوں کہ بچے لڑ رہے ہیں۔ ماں انکو مار رہی ہے اور گالیاں دے رہی ہے۔ ان سے فرصت ملی تو میری طرف مخاطب ہو جاتی ہے اور میرے ہر کام پر سینکڑوں اعتراضات جڑنا شروع کر دیتی ہے۔ اپنی ہر بات سے وہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ میں اس کے مقابل میں ایک احمق بیوقوف اور جاہل ہوں اگر وہ نہ ہو تو میرا سارا کارخانہ درہم برہم ہو جائے اول تو اسے اس بات کی زیادہ پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ میرے کھانے پینے کی طرف کوئی خاص توجہ کرے۔ لیکن اگر میرے سامنے دستر خوان آیا تو وہ بیٹھ کر رنج و غم کی داستان شروع کر دیتی ہے کبھی بدقسمتی کا ذکر کرتی ہے کہ وہ کیسے ایک نالائق شوہر کی بیوی بن گئی کبھی اپنے مردہ ماں باپ کو یاد کر کے رونے لگتی ہے غرض جب تک میں کھانے میں مصروف رہتا ہوں وہ ایسی باتیں کرتی رہتی ہے جس سے فرحت کے عوض میں دکھ کا اثر قلب پر پڑتا جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ میرا کھانا بجائے نفع پہنچانے کے مضرت رساں ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک ڈاکٹر نے میری بیوی کو سمجھایا کہ کھاتے وقت ہمیشہ خوشی اور چہل پہل کی باتیں کیا کرو تاکہ وہ کھانا انگ لگے اور جزو بدن بن جائے۔ اس نے یہ بھی سمجھایا تھا کہ اگر کھانے کے وقت دل پر رنج تکلیف یا غصہ ہو تو اگر سونے کا نوالہ بھی کھایا جائے تو کوئی فائدہ جسم کو نہیں ہوتا۔ مگر میری بیوی نے اس نصیحت کا مضحکہ اڑایا اور ہنسی میں ٹال گئی۔ آخر میں نے کہا کہ میں اسی وجہ سے باہر اپنا دل بہلاتا ہوں اور گھر میں عین نیند کے وقت داخل ہوتا ہوں

اور سنیے

ایک تعلیم یافتہ ہندو دیوی کا بیان ہے کہ جب میرا پتی (شوہر) نوکری ختم کر کے گھر میں داخل ہوتا ہے تو میں بچوں کو ہٹا دیتی ہوں اور ان کے دفتری کپڑے اتروا کر گھریلو پوشاک پہنوا دیتی ہوں اور خود پنکھا لیکر جھلنے لگتی ہوں اور جب تک وہ کوئی بات نہ چھیڑیں میں اپنی طرف سے بات نہیں کرتی پھر رفتہ رفتہ پتہ لگا لیتی ہوں کہ کوئی غصہ، فکر یا برہمی کا اثر دماغ پر نہیں ہے تو بات چھیڑتی ہوں۔ جب وہ کھانے پر بیٹھتے ہیں تو میں ہارمونیم بجانے لگتی ہوں اور کوشش کرتی

ہوں کہ وہ دیر تک آہستہ آہستہ کھانا کھائیں اور خوب کھائیں۔ اس بات کو سُنکر دیوی کی کسی مسلمان سہیلی نے بطور طعنہ کہا کہ یوں کہو کہ آپ شوہر کے خاطر سچ مچ کی زن بازاری بن جاتی ہیں۔ ہمارے یہاں شریفوں میں باجا بجانا گانا یہ سب رنڈیوں کے کام مانے جاتے ہیں۔ اس پر ہندو خاتون نے ایک ایسی جامع اور مختصر بات کہدی کہ اس کا جواب خاموشی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس نے کہا کہ ہر بیوی کو اپنے شوہر کے لئے طوائف یا رنڈی بن جانا چاہیئے تاکہ اس کو سارے تفریح کے سامان گھر ہی میں ملجائیں اور باہر کسی صحبت کی تلاش نہ رہے جس شوہر کی بیوی خود گانا بجانا جانتی ہے اس کا شوہر کبھی کسی طوائف کا گانا سننے کی فکر میں نہ ملیگا حلال چھوڑ کر حرام کون قبول کرے گا۔ بس فرق یہ ہے کہ زن بازاری یہ دلکشی کا سامان خود میں دنیا کے لئے پیدا کرتی ہے اور بیوی صرف ایک کے لئے یعنی اپنے شوہر کے لئے کسی ہندی شاعر نے اس مضمون کو ایک دوہے میں خوب ادا کیا ہے وہ کہتا ہے۔

کملن کے روی ایک ہیں روی کو کمل انیک   ہم سے تم کو بہت ہیں تم سا ہم کو ایک

یعنی بیوی شوہر سے کہتی ہے کنول کے پھولوں کو آفتاب ایک ہی ہے اگرچہ آفتاب کو کنول ہزاروں ہیں۔ یعنی اے شوہر تو تو کمل ہے کہ ہم جیسی تم کو بہت مل جائیں مگر ہم کو تو تم جیسا ایک ہی ہے یعنی تم ہی ہو۔

یہ ہندوستانی نسواں کی اسپرٹ ہے جو دنیا کے کسی حصہ ملک کی عورت کو نصیب نہیں۔ اسی وجہ سے دانایان فرنگ بھی اب ہندوستانی عورتوں کو سراہنے لگے ہیں۔

ایک اور کہانی

اسی سلسلے میں میں چاہتا ہوں کہ اپنی ہندوستانی بہن بیٹیوں جنکے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے ایک مختصر سی کہانی اور سنا دوں جو میں نے کبھی کسی رسالہ میں پڑھی تھی۔ کہنے کو کہانی ہے مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے آپ بیتی کسی کو سنائی ہے اس نے افسانہ کہکر دنیا کو سنا دیا۔

کہانی پردہ نشین طوائف

ایک بڑے رئیس کے لڑکے کا بیاہ ہوا جب بیوی آئی تو دشمنوں نے دولہا کے کان بھرے کہ دلہن بدصورت ہی نہیں ہے۔ بدتمیز بھی ہے اور وہ ہے اسکا نتیجہ یہ ہوا۔ احمق رئیس زادے کو بلا دیکھے اپنی دلہن سے نفرت ہو گئی۔ اور مدتوں وہ غریب کس مپرسی کی حالت میں میکے اور سسرال میں پڑی رہی ایک مدت کے بعد بیوی کو خیال آیا کہ معاملہ روز بروز بگڑتا جاتا ہے اور کوئی اس کی مدد نہیں کرتا تو اس نے دل مضبوط کر کے اپنے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

اسے معلوم ہوا کہ اس کا شوہر آس پاس کے شہروں میں جا کر ناجائز وسائل سے رنگ رلیاں مناتا ہے اور ہزاروں روپیہ جائداد پر قرض لے کر خرچ کر رہا ہے اسے یہ بھی خوف ہوا کہ تھوڑے دن اگر یہی حالت رہی تو جائداد و ریاست سب کا خاتمہ ہے اور پھر روٹی کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔

بیوی کو معلوم ہوا کہ اس کے میاں فلاں شہر میں موجود ہیں اس نے روپیہ پیسہ کافی لیا اور دو چار رازدار خدمتگارنیاں ساتھ لیکر اسی شہر میں آ رہی ایک بڑی حویلی لب سڑک کرائے پر لی اور اپنے صدر دروازہ پر سائن بورڈ لگایا جس پر لکھا کہ پردہ نشین طوائف۔ اس نے مشہور کرایا کہ ایک پارسا پردہ نشین گانا سناتی ہے۔ نئی بات کو سن کر دنیا مخاطب ہو گئی اور سارے شہر میں چرچے ہونے لگے کہ عجیب طوائف ہے پردہ بھی کرتی ہے اور گانے کا روزگار بھی۔ رفتہ رفتہ رئیس زادے صاحب کے کان میں بات پہنچی وہ بھلا کیوں نہ آتے وہ تو اسی تلاش میں رہتے تھے۔ پہنچے۔ پردہ نشین طوائف نے پردہ میں رہ کر ان کو باجا بجا کر سنایا گایا۔ شعر و سخن کی باتیں کیں۔ اپنی دستکاریاں دکھائیں۔ یوں ہی آنا جانا ہوتا رہا۔ ایک موقعہ پر طوائف نے اپنی جھلک بھی دکھائی۔ بس پھر کیا تھا ہزار جان سے عاشق ہو گئے اور ایک روز کہہ ہی ڈالا کہ خدا نے تم کو لاجواب حسن کے ساتھ ہر قسم کا شعور اور سلیقہ دیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ تم اپنی عصمت و عفت کی حفاظت بھی اسی طرح کرتی ہو جس طرح ایک شریف ترین بیوی کر سکتی ہے۔ پھر آخر یہ بات کیا ہے کہ طوائف بنی ہوئی ہو

کیوں کسی شریف انسان سے نکاح نہیں کر لیتیں۔
پردہ نشین طوائف نے کہا مردوں کی بے وفائیاں دیکھ دیکھ کر جی ڈرتا ہے
رئیس نے کہا میں آپ کا ہر طرح سے اطمینان کرنے کو تیار ہوں فرمائیے تو ساری
جائداد دین مہر کے عوض میں لکھ دوں۔ تم کو مالک بنا دوں مجھ سے خط غلامی
لکھوا لو۔ پردہ نشین نے کہا تم اپنی بیاہتا بیوی کے جب نہ ہوئے تو میرے
کیا ہو سکے۔ رئیس نے کہا کیا کروں وہ بدصورت ہے بدسیرت ہے بے تمیز ہے
بے ہنر ہے۔ میں تو تم جیسی ہمہ صفت موصوف بیوی چاہتا ہوں۔ پردہ
نشین نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ کی بیوی میں یہ سب جیسے اوصاف
نہیں ہیں۔ رئیس نے کہا کہ رات دن ہم نزدیک رہنے والوں سے سنتا رہتا ہوں
پردہ نشین نے کہا کہ افسوس ہے کہ آپ نے سنی سنائی باتوں پر کیوں یقین کر لیا۔
دیکھا تو ہوتا۔ خیر ایسا ہی تھا تو کہ تمہاری بیوی میں یہ کل اوصاف پیدا ہو جائیں
جو مجھ میں ہیں تو کیا تم میرا اچھا پھر تو نکرو گے۔ رئیس نے کہا آہ یہی ہو جاتا تو پھر
کیا غنیمت تھی۔ یہ سن کر پردہ نشین نے رئیس کا ہاتھ پکڑ کر پردے کے اندر کھینچ
لیا اور کہا حضور میں ہی آپ کی بیاہتا ہوں۔ بس رئیس پاؤں پر گر پڑا۔
اور رو رو کر معافی مانگتا رہا اور اپنے افعال پر نادم ہوا اور ہمیشہ کے لئے توبہ
کر لی اور ساری عمر بیوی کا غلام بنا رہا اور ہمیشہ کہتا رہا کہ اگر تم اس طرح میری
اصلاح نہ کرتیں تو میں ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گیا ہوتا۔

شوہر کی اصلاح

نہ سب دن ایک سے ہوتے ہیں نہ سب عورتیں اگر کسی بیوی کو بدقسمتی سے
ایسا شوہر مل جائے جس میں بہت سی خراب عادتیں ہوں تو اسے چاہیئے کہ
بڑی نرمی اور دور اندیشی سے اصلاح کی کوشش کرے ورنہ اگر وہ سختی سے
پیش آئے گی ہر وقت چخ چخ کرے گی یا عیبوں کی تشہیر کرتی پھرے گی تو اثر الٹا
ہوگا کیونکہ بیوی ہر لحاظ سے محکوم و مجبور ہے مرد آزاد ہے اسے ضد ہوگی
اور بجائے اصلاح کے اور شرارتیں بڑھ جائیں گی اور شوہر بیوی کو اپنا

دشمن سمجھنے لگ جائیگا۔ اب میں یہاں ایک واقعہ بطور افسانہ لکھتا ہوں جس سے اندازہ ہو جائیگا کہ بعض موقعوں پر عقلمند بیوی کو اپنے شوہر کی اصلاح کس طریقہ پر کرنی چاہیئے

کہانی

خبردار پستول نہ چلانا

رکمنی دیوی ایک شریف پڑھی لکھی خوبصورت لڑکی تھی جو ایک نوجوان بیرسٹر نارائن راؤ کو بیاہ کر گئی تھی۔ بیرسٹر صاحب کے پاس اکثر غیر عورتیں آیا کرتی تھیں جن سے وہ رکمنی کی موجودگی میں دل بہلایا کرتے تھے ان سے تاش کھیلتے باجہ بجواتے گواتے ہنسی ٹھٹھا کرتے اور جب جی چاہتا موٹر میں بٹھلا کر باہر ہوا خوری کو چلے جاتے رکمنی کو یہ بات ناگوار گذرتی مگر دل ہی دل میں کڑھا کرتی۔ ایک دن اس نے دل مضبوط کر کے شوہر سے کہدیا کہ آپ کی یہ باتیں اچھی نہیں ہیں آخر تفریح اور کھیل کے لیے میں کیا کم ہوں جو آپ غیروں کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اس کے جواب میں بیرسٹر صاحب بہت بگڑے اور کہنے لگے تم آخر ہو نہ ہندوستانی۔ تمہارے دل میں ہمیشہ بے ایمانی رہتی ہے ان عورتوں سے مری پاک محبت ہے وہ بڑی نیک ہیں تمہاری طرح سے اُن کا دل پاپی نہیں ہے۔ یہ سب محض اپنا اور میرا دل بہلانے کو آجاتی ہیں تم کو بدگمان نہ ہونا چاہیئے۔ میں یورپ میں رہا ہوں جہاں کے شرفا اپنے پاک دلوں کے ساتھ اسی طرح آپس میں ملتے جلتے ہیں اور کوئی بدمزگی خاندان میں پیدا نہیں ہوتی۔ آخر تم کیا چاہتی ہو کہ میں رات دن زانو سے زانو بھڑائے ہوئے تمہارے پاس بیٹھا رہا کروں اور دنیا کی طرف سے آنکھہ سی لوں نہ کسی سے ملوں اور نہ کسی سے بات کروں رکمنی نے یہ باتیں سنکر شوہر سے صرف اتنا کہا پیارے پتی معاف کرو مجھ سے غلطی ہوئی۔ اب کبھی زبان نہ ہلاؤں گی۔ بات یہ ہے کہ آخر عورت ذات ہوں اور پھر ہندوستانی رقابت کی آگ دل میں بھڑک اٹھی اور میں نے آپ کو ناراض کیا۔ آپ کا فرمانا بالکل درست ہے کہ ایک پاک دل کے ساتھ انسان کچھ بھی کرے سب درست ہے ہمکو فراخ دل اور روادار ہونا چاہیئے۔ آپ ولایت میں رہ چکے ہیں۔ اس لئے

وہاں کی معصوم اور پاک زندگی سے واقف ہیں۔ اگر کبھی آپ کے ساتھ گئی تو آپ کی سی ہو جاؤں گی۔ خیر اب میں کوشش کرونگی کہ اپنے آپ کو آپ کی طرح بناؤں۔ قصہ ختم ہوا اور بات آئی گئی ہوئی۔ بیرسٹر صاحب کی دوست عورتیں برابر آتی جاتی رہیں اور بنگلہ پر دن کی چہل پہل بنی رہتی۔ اکثر بیرسٹر صاحب موٹر میں اپنی دوستوں کو ٹہلانے چلے جاتے اور دن ڈھلے گھر آتے رکمنی گھر کے انتظام اور رسوئی کی تیاری میں لگی رہتی۔

دوسرا نظارہ

بیرسٹر صاحب اپنے بنگلہ پر کھانے سے فارغ ہو کر آرام کرسی پر لیٹے ہوئے سگار سلگا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ان کی دھرم پتنی (بیوی) اپنے کمرے سے بن ٹھن کر نکلی اور چھاتہ ہاتھ میں لے کر باہر برآمدہ میں کھڑی ہو گئی باہر سے ایک موٹر یکدم داخل ہوئی اور جس پر ایک خوبصورت جوان کوٹ پتلون اور ہیٹ میں ملبوس بیٹھا ہوا تھا۔ رکمنی نے بیرسٹر صاحب سے کہا ذرا آپ بنگلہ کی نگرانی کریں میں دو تین گھنٹے میں ابھی واپس آتی ہوں میرے ایک دوست آئے ہیں ان کے ساتھ دامن کوہ میں جو آبشار ہے اس کو دیکھنے جاتے ہیں وہیں کچھ کھانا پینا ہوگا اکیلے رہتے رہتے دل گھبرا گیا تھوڑی تفریح مقصود ہے۔ بیرسٹر صاحب یہ سنکر چونک سے پڑے اور کھڑے ہو کر کہنے لگے میں نہیں سمجھا کہ تمہارا کیا مطلب ہے۔ کیا غیر مرد کے ساتھ تم دل بہلاؤ گی۔ اور میں بنگلہ تاکونگا کدھر ہو ذرہ ہوش کی باتیں کرو۔ رکمنی نے نہایت متانت سے جواب دیا آپ ناحق گھبراتے ہیں ہمارا دل پاک صاف ہے محبت ہے مگر پاک بالکل پاک۔ آپ بدگمانی کے گناہ میں ناحق گرفتار ہو رہے ہیں۔ خدا کے فضل سے آپ یورپ کے تربیت یافتہ ہیں اور پھر اسقدر تنگ دلی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے رکمنی آگے بڑھی اور یہ کہتے ہوئے ذرا ڈرائنگ روم سے غافل نہ ہونا یہاں چور بہت آتے ہیں رسویا سے کہدیجئے کہ میرے کھانے کی چیزیں ٹھنڈی نہ ہونے پائے" موٹر میں نوجوان کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ بیرسٹر صاحب

ہاں ہاں میرا حکم مانو۔ ایسی آزادی میں پسند نہ کروں گا۔ موٹر سے اُترو یہ کون شخص ہے آخر معلوم تو ہو کہتے ہی رہ گئے اور کار پوں پوں کرتی ہوئی زن سے چلدی اور بیرسٹر صاحب دیکھتے ہی رہے۔

تیسرا نظارہ

بیرسٹر صاحب تھوڑی دیر تو کچھ دل میں سوچتے رہے مگر حالت یہ تھی کہ غصہ سے بدن کانپ رہا تھا آدھے گھنٹے کے قریب بنگلے کے برآمدہ میں ٹہلتے رہے اور منہ سے بڑبڑاتے رہے۔ کہتے تھے غضب خدا کا عورت اور ایسی منہ زور کہ باوجود منع کرنے کے چلدی اور پھر کس کے ساتھ جس کو میں جانتا تک نہیں۔ بھلا ایسی آزادی میں کب روا رکھ سکتا ہوں۔ اس کے بعد بنگلہ کے نوکروں سے پوچھا کہ کیا تم بتا سکتے ہو یہ جوان کون ہے کبھی پہلے بھی یہاں آیا ہے سب نے کہا ہم نے تو کبھی کسی مرد کو یہاں آپ کی غیر حاضری میں نہیں دیکھا۔ البتہ کبھی کبھی سین بابو کی بیوی آئی ہیں کل بھی آئی تھیں وہاں کچھ دھیرے دھیرے باتیں کر رہی تھیں۔ بیرسٹر صاحب ڈریسنگ روم میں گئے جلدی کپڑے پہنے شوفر کو حکم دیا کہ کار تیار کرے۔ بیرسٹر صاحب نے ریوالور نکالا اس میں کارتوس بھرے جیب میں رکھا اور موٹر پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور سے کہا دیکھو ہم کو رتنا گر پہاڑ کے نیچے جہاں پانی گرتا ہے وہاں لے چلنا ہے۔ ڈرائیور نے کہا جی ہاں مجھے معلوم ہے۔ موٹر تیزی سے چلی اور ٹھیک اسی مقام پر پہنچی جہاں بیرسٹر صاحب کی بیوی رکمنی اپنے یار کے زانو سے زانو بھڑائے ہوئے بیٹھی تھی۔ خاصدان سامنے رکھا تھا پان کی گلوریوں کا تبادلہ ہو رہا تھا بیرسٹر صاحب کی موٹر جب قریب پہنچی تو وہ دونوں اور زیادہ اطمینان سے ہنسی مذاق میں مصروف ہو گئے۔ گویا انہوں نے دیکھا ہی نہیں

بیرسٹر صاحب کانپتے ہانپتے غصہ اور غضب کے نشے میں سرشار موٹر سے اترے آگے بڑھے اور زور سے چیخ کر کہا اے شخص تو کون ہے جس نے امانت میں خیانت کا ایسا مظاہرہ کر کے ایک ہندوستانی کا دل اس طرح دکھایا ہے جوان نے مسکراتے ہوئے کہا جناب دل صاف ہے آپ ناحق بدگمان ہ

کرتے ہیں۔ میں یورپ میں رہا ہوں تفریح اور دل بہلاوے سے اسقدر آپ کیوں گھبرا گئے ذرہ ہوش کیجئے دماغ اور دل کو سنبھالئے۔ آئیے آپ بھی شریک صحبت ہو جائیے۔

بیرسٹر صاحب نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے جیب سے ریوالور نکالا۔ اور کہا اچھا تیری یہی خواہش ہے کہ میرے ہاتھوں سے بے نام ونشان مارا جائے تو تیری مرضی (عورت سے مخاطب ہوکر) لے بے وفا بے حیا عورت تو بھی اسی کے ساتھ جہنم کو جا۔ تیرے لئے بھی ایک کارتوس میں لگا لایا ہوں یہ کہکر ریوالور کی لبلبی پر انگلیاں پہنچیں اور فائر ہونے کو تھا کہ نوجوان نے ہائیں ہائیں کہتے ہوئے کوٹ اُتار کر پھینک دیا اور چلا کر بولی۔ بھیا نارائن راؤ میں سین بابو کی بیوی تمہاری بہن ہوں۔ کیا غضب کر رہے ہو۔ خبردار پستول نہ چلانا۔ بس یہ دیکھنا اور سننا تھا کہ بیرسٹر صاحب نے ریوالور پھینک دیا اور زمین پر دھڑ سے گر گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ بیہوش ہوگیا ہے رکمنی اور اُنکی سہیلی نے (جو کوٹ پتلون سے جدا ہوکر ساڑی میں ملبوس ایک ہندوستانی لیڈی بنگئی تھی) پنکھے سے ہوا دی ذرہ ہوش ہوا تو بولے ظالمو تم نے غضب کیا تھا اگر ایک منٹ کی بھی دیر ہوتی تو ابھی تین لاشیں خاک وخون میں لتھڑی ہوئی یہاں سے پولس کے ہاتھوں اُٹھائی جاتیں اور جب غلط فہمی کا پتہ مخلوق کو ہوتا تو سارا شہر ہماری حماقت پر افسوس کرتا۔ رکمنی بولی پیارے بتی اب مجھے یہ کیا خبر تھی کہ آپ یکدم توپ بندوق سے کام لینے لگیں گے۔ مجھے تو صرف آپ کو یہ بتانا تھا کہ عورت کے پہلو میں بھی ایشور نے دل دیا ہے وہ بھی اپنے محبوب کے پہلو میں دوسرے کو دیکھکر اسی طرح تڑپتا ہے اسے بھی غصہ آتا ہے انگریزی ولایت میں جو کچھ ہوتا ہو۔ ہم ہندوستانیوں کی فطرت اور روایات کو انگریز کی نقل نہ کرنی چاہئے۔ میں نے یہ خیال کیا تھا کہ آپ کی ناراضی بڑھے گی اور آپ بحث کریں گے میں آپ کو قائل معقول کرکے راز ظاہر کردونگی۔ بیرسٹر صاحب بولے ارے میں تو پاگل ہوگیا تھا مجھے بحث مباحثہ کی فرصت کہاں تھی۔ میں نے تو وصیت نامہ تک لکھدیا تھا کہ میرا بنگلہ اور کل فرنیچر

نا بچہ آئے کو دیدیا جائے۔ یہ بھی لکھا تھا کہ میری برادری کے لوگ یورپ کی آزادی کی نقل کرنا چھوڑ دیں اگر وہ پردہ نہیں کرتے نہ کریں مگر پردہ کا اصلی مقصد یعنی غیر مرد اور غیر عورتیں شوہر کا یا بیوی کی غیر حاضری میں میل جول نہ کریں۔

یہ کہہ کر سب کے سب ہنستے ہوئے اٹھے اور اپنی کاروں میں بیٹھ کر بنگلہ پر آئے مسٹر سین بابو بھی بلائے گئے۔ سارا قصہ سنایا گیا وہ بھی بہت ہنسے اور راؤ صاحب سے کہا کہ واہ حضرت آپ نے تو اپنے ساتھ میرا گھر بھی اجاڑا تھا معلوم ہوا کہ جب رکمنی نے اپنا دکھڑا اپنی سہیلی مسز سین سے کہا اُس نے یہ ترکیب بتلائی اور خود مرد بنکر آئی اور رکمنی کو لے گئی قصہ ختم ہوا۔

پھر مسٹر بابا راین راؤ سے اگر اس کی لڑائی رہتی اور بحث کرتی رہتی کبھی اصلاح نہ ہوتی مگر اس نے کس خوبصورتی سے شوہر کو نصیحت کی اور پھر ساری عمر کے لیئے توبہ کرلی۔ غرضکہ نصیحت کرنے کو عقل کی ضرورت ہے۔

تعلیم یا خواندگی

کچھ ایسی ہوا پھیل گئی ہے کہ آج کل کے پڑھے لکھے لڑکے بے پڑھی لکھی لڑکیوں کو بیوی بنانا نہیں چاہتے خواہ وہ کیسی ہی نیک کیسی ہی فرمانبردار اور کیسی ہی حسین کیوں نہو۔ اس لیئے ان لڑکیوں کو جن کو والدین نے نہیں پڑھایا فرض ہے کہ سسرال میں جاکر اپنی تعلیم کا خود انتظام کریں۔ چند روز میں کچھ شد بد ہو ہی جائیگی جو پڑھی لکھی ہے وہ لکھنے پڑھنے کے کاموں سے ضرور دلچسپی کا اظہار کرتی رہے کتابوں کا ذخیرہ ساتھ رکھے۔ اگر شوہر دور ہے تو اسے خط لکھتی رہے۔ ایسے خطوط لکھنا سیکھے جس سے اظہار محبت و خلوص ظاہر ہو ہر قسم کی کتابیں موجود ہیں پڑھنے سے سب آجاتا ہے جو بیویاں حیا کی وجہ سے یا کاہلی و جوری کے باعث اپنے دور افتادہ شوہروں کو خط نہیں لکھتیں وہ بڑی غلطی کرتی ہیں شوہر کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ میری بیوی کو میری پرواہ نہیں ہے۔ اس لئے مجھے بھی اس کی طرف سے لاپرواہ رہنا چاہیئے۔ ہوشمند بیویاں اپنے شوہروں کو جب خط لکھتی ہیں تو اس طرح کہ جس طرح ایک عاشق

اپنے معشوق کو لکھ رہی ہے۔ جدائی کا قلق ملاقات کا اشتیاق۔ خدمت گزاری کی آرزو وغیرہ وغیرہ۔ احمق عورت اول تو لکھتی ہی نہیں وہ سمجھتی ہے کہ شوہر سے خط و کتابت کرنا بری بات ہے۔ لوگ نام دھریں گے اگر لکھتی بھی ہے تو ساس نندوں کا دکھڑا۔ اپنی بیماریوں کی داستان روپیہ کی ضرورت زیور کی فرمائش اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شوہر سمجھ لیتا ہے کہ میری بیوی ایک خود غرض بے عقل اور گنواریوں کی سی عادت والی عورت ہے۔ اس کو اپنے پاس رکھنا زندگی کو اور مصیبت میں ڈالنا ہے بس جہاں پڑی ہے پڑی رہنے دو۔ برخلاف اس کے ہوشیار دلہن اپنے شوہر کو ایسے اچھے خط لکھتی ہے کہ شوہر چاہتا ہے کہ کسی طرح اس سے جدا نہ رہے وہ شوہر کو ہمیشہ تسلی دیتی ہے۔ مشکلات سے نہ گھبرانے کی نصیحت کرتی ہے۔ یہ بھی لکھتی ہے کہ آپ میری اور بچوں کی زیادہ فکر نہ کریں اور اپنے کام میں مصروف رہیں وغیرہ وغیرہ۔

خوب یاد آیا

آج سے تیس برس پہلے جب میرے گھر سے ماہوار رسالہ پردہ نشین شائع ہوتا تھا تو میں نے ایک مضمون دنیا کی دوزخ اور دوسرا دنیا کی جنت لکھ کر شائع کرایا تھا وہ کچھ ایسے پسند کئے گئے تھے کہ ہندوستان کے تقریباً کل زنانہ رسالوں نے نقل کئے تھے۔ مضمون تو مجھے نہیں یاد ہیں اُن کا ہلکا سا خاکہ البتہ دماغ میں ہے۔ میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ اس کتاب میں ان کا خلاصہ مفہوم درج کردوں۔ ممکن ہے کہ کتاب کی پڑھنے والی بیٹیوں اور بہوؤں کو کچھ نفع پہنچ جائے

دنیا میں دوزخ

ایک امیر زادے کو خدا نے سب کچھ دیا ہے۔ رہنے کو خوبصورت سجا ہوا محل۔ خدمت کو نوکر چاکر لونڈی غلام۔ تفریح کو باغ بغیچے۔ گراموفون سواری کو بگی فٹن۔ گھوڑے۔ موٹریں۔ صحت۔ تندرستی۔ حسن خوبصورتی غرضیکہ آرام و آسائش کی ساری چیزیں موجود مگر جب کوئی ان کے دل

کی بات اُن سے پوچھتا ہے تو کہتے ہیں "دنیا میرے لئے ایک دوزخ ہے" لوگ حیران ہیں کہ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے یہ شخص دنیا کو دوزخ کہتا ہے تو پھر آخر جنت کس چیز کا نام ہے آخر میں وہ بتاتا ہے کہ میری بیوی میری ہم خیال نہیں ہے۔ چڑچڑی ہی پھوہڑ ہے۔ غیر منتظم ہے لڑاکو ہے۔ بدزبان ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مجھے میرا محل مجسم دوزخ معلوم ہوتا ہے اور میں جب تک اس سے دور رہتا ہوں خوش رہتا ہوں ساری رات مردانے مکان میں پڑا رہتا ہوں۔ یا تو دوست احباب کی باتوں میں رات کٹ جاتی ہے یا پھر کتابوں کے مطالعے سے نیند کو اپنے اوپر مسلط کرکے پڑ جاتا ہوں۔

اس کے بعد امیرزادہ اپنے مخاطب سے کہتا ہے آؤ میں تمہیں شہر سے دور اور ایک چھوٹے سے گاؤں میں لے چلوں اور دکھلاؤں کہ جنت کیسی ہوتی ہے۔ چنانچہ امیرزادہ اپنے دوست کو لے کر آبادی سے دور کھیت کے کنارے ایک پھوس کی جھونپڑی کے برابر کھڑا کر دیتا ہے اور کہتا ہے دور سے کھڑے ہوئے تماشہ دیکھو کیا ہو رہا ہے۔

دنیا کی جنت

پھوس کی جھونپڑی میں کسان ہار اُٹھا کر اپنے کھیتوں سے آتا ہے بیوی جلدی سے پانی کا لگڑا لاکر رکھ دیتی ہے اور کہتی ہے "ذرا ہاتھ منہ تو دھو ڈالو" آگ لاتی ہے چلم لاتی ہے کہتی ہے " دیکھو یہ تمباکو کیسی ہے دم لگا کر دیکھو" گزی کی نئی سلی ہوئی فتوئی لاتی ہے اور کہتی ہے "لو اسے بدل لو تمہاری مرزئی بالکل پھٹ گئی ہے۔ سردی لگتی ہوگی۔ میں نے اپنا لہنگا بنا نا ملتوی کر دیا ہے۔ اگلی فصل میں مالک نے چاہا تو بنا لوں گی۔ تمہاری ایک فتوئی اور بچوں کے دو کرتے نکل آئے ہیں" چولھے کے پاس جا کر کہتی ہے۔ "لو ہاتھ منہ دھو کر جلدی میرے چولھے کے پاس آ بیٹھو۔ جو چنے کی روٹیاں ہیں گرم گرم اچھی معلوم ہوں گی۔ بتھوے کا ساگ ہے ہری مرچیں کھیت سے لا کر ڈالی ہیں۔"

کسان چولھے کے قریب ایک کھجور کی بوسیدہ سی چٹائی پر بیٹھ کر

لے کر کھانا کھا رہا ہے۔ بیوی تازہ گرم روٹی ڈالتی جاتی ہے جب کسان کہتا ہے بس کرو اب نہ کھاؤں گا تو بیوی کہتی ہے واہ ایک تو اور لو۔ دیکھو یہ روٹی کیسی اچھی سِکی ہے،، کسان کھانے سے فارغ ہو کر حقہ لیکر بیٹھتا ہے اور کہتا ہے " رام جانے کیا ہونے والا ہے پچھلی فصل تو بہت برسات ہونے سے گل گئی اب کی دفع امید تھی کہ مہاجن کا کچھ قرضہ ادا ہو جائے گا اور زمیندار کی باقی ادا ہو جائے گی سو دیکھتا ہوں کہ پالا مارے ڈالتا ہے۔ ابھی تک ہماری ارہر اور مٹر بچی ہوئی ہے کل کی خبر نہیں کہ کیا ہونے والا ہے" بیوی بات کو کاٹ کہتی ہے" بس کرو مالک سب اچھی کرینگے اس نے جیو دیا ہے وہی پالیگا۔ جاؤ آرام کرو۔ تم دیکھنا اب کی دفعہ ارہر کا ایسا بھاؤ رہیگا کہ تمہارا سارا قرضہ ادا ہو جائے گا۔

امیر زادے نے اپنے ساتھی کو کہا دیکھا آپ نے ؟ جنت اس جھونپڑی میں ہے یا میرے محلوں میں۔ اس نے جواب دیا آپ نے سچ کہا یہ جھونپڑی دنیا کی جنت ہے اور وہ آپ کا محل دنیا کی دوزخ ہے۔

بچوں کی تربیت

جن بیویوں کو خدا نے بچہ بچی کی نعمت دی ہے اس کی حیثیت زیادہ اونچی ہو جاتی ہے اور اس کے مشکلات میں اضافہ ہو جاتا ہے اس کو کچھ زیادہ عقل کی ضرورت ہوتی ہے ایک طرف تو بچوں کی پرورش حفاظت اور رکھ رکھاؤ کا بار دوسری طرف شوہر کے آرام اور دلبستگی کا لحاظ۔ بعض عورتیں ایسی دیکھی گئیں کہ جہاں ان کے دو ایک بچے ہوئے کہ وہ ہمہ تن بچوں کی محبت میں غرق ہو جاتی ہیں اور نہ ان کو شوہر یاد رہتا ہے اور نہ اپنا وجود۔ یعنی خود میلی کچیلی گرموت میں سنی ہوئی نہ نہانا نہ دھونا نہ بناؤ نہ سنگھار جب دیکھو بس بچوں ہی میں مبتلا ہیں۔ اس قسم کی بیویاں کبھی کچھ کامیاب زندگی نہیں گذارتیں اور شوہر کی نگاہ سے گری ہوئی رہتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ عورت کی توجہ سب طرف کچھ حصہ رسدی تقسیم ہو۔ بچہ بچہ کی جگہ ہے شوہر

شوہر کی جگہ۔ یہ کیا آپ کے ایک بچہ کیا پیدا ہو گیا آپ نے اپنی ساری محبت کو اس پر منتقل کر دیا۔

میں نے کئی ایسی سگھڑ بیویوں کو دیکھا ہے کہ بچوں کی پیدائش نے اُن کے کسی انتظام میں فرق نہیں آنے دیا بالکل وہ اسی طرح رہتی ہیں جیسی پہلے دن بیاہ کر آئی تھیں صاف ستھری پاک صاف۔ مضبوط۔ تندرست۔ غرضکہ اگر عورت چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے کہ بچے بھی ہوں اور عورت میں وہی دلکشی قائم رہے جو اس کو ماں بننے سے پہلے قدرت نے بخشی تھی۔

دوسری بات عورت کے غور کے قابل یہ ہے کہ اپنے بچوں کی طرف سے کبھی بالکل غافل نہ ہو جائے۔ جیسا کہ بعض بدتمیز عورتوں کو دیکھا گیا ہے کہ خود تو خاصی بنی سنوری رہتی ہیں مگر اُن کے بچے میلے کچیلے گندے گھنونے۔ جب وہ باہر اس حال میں دیکھے جاتے ہیں تو غیر لوگ سمجھتے ہیں کہ عورت بدسلیقہ ہے۔ اور مرد کو شرمندگی ہوتی ہے اور آخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شوہر کی نگاہ سے بیوی گری ہوئی رہتی ہے۔ جس عورت میں اپنا اور بچوں کے رکھ رکھاؤ کا سلیقہ ہوتا ہے اس پر شوہر کا کامل اعتماد ہو جاتا ہے اور وہ اس کے ہر مشورہ کو ماننے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

بہت سے شوہروں کو میں نے کہتے سنا کہ بھائی ہم تو صرف کمانا جانتے ہیں جو ملا بیوی کے ہاتھ پر لا دھرتے ہیں پھر ہم نہیں جانتے کہ کیا کچھ ہو رہا ہے ہم سے جھگڑے کہاں ہو سکتے ہیں۔ خدا نے ہم کو ایسی جفاکش اور سلیقہ مند بیوی دیدی ہے کہ ہم آرام کی نیند سوتے ہیں۔

برخلاف اس کے کئی بیویاں دیکھی گئی ہیں کہ بچوں کے کپڑے پھٹے ہیں میلے ہیں ننگے سر ننگے پاؤں گلیوں میں پھر رہے ہیں نہ سر پر ٹوپی ہے نہ پاؤں میں جوتا۔ نہ کھانے کا کوئی وقت ہے نہ پینے کا کسی کی ناک بہہ رہی ہے کسی کو دست آ رہے ہیں کسی کی انگلی میں چوٹ ہے کسی کی پنڈلی لہو لہان ہے نہ دوا ہے نہ علاج ہے نہ ڈانٹ ہے نہ ڈپٹ ہے۔ نہ تعلیم کا خیال ہے نہ تربیت کا۔ ایسی عورتیں اگر یہ توقع کریں کہ اُن کا شوہر اُن کا عاشق شیدا ہے یہ ناممکن بات ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی شرافت یا جگ ہنسائی کے خوف سے تم سے کچھ نہ کہے مگر دل ہی دل میں تم سے

کچھ نہ کہے مگر دل ہی دل میں نفرت کرتا ہوگا اور اپنی بدقسمتی پر روتا ہوگا۔

یہ بات سچ ہے کہ بچوں کا معاملہ بڑا تکلیف دہ ہے اُن کی پرورش عورت ہی کا جگر ہے جو کرتی ہے مرد کے بس کا یہ روگ نہیں ہے۔ اُن کی نگرانی آسان نہیں ہے تاہم عورت کے فرض میں داخل ہے۔ اور خدا نے اسی میں اس کا مادہ بھی دیا ہے لہذا اگر وہ غفلت کریگی تو قابل بازپرس ہے۔ لہذا عقلمند عورت کا کام ہے کہ جہاں وہ ہر قسم کی ذمہ داریوں کو سر پر لئے ہوئے سب کچھ کر رہی ہے وہاں بچوں کی طرف سے غافل نہ ہو جائے۔ نہ اُن سے اسقدر محبت کرے کہ وہ شوخ ہو جائیں۔ نہ ہر وقت اتنی تنبیہ کرے کہ بے حیا بن جائیں۔

فن طبّاخی

عورت ذات کے لئے کھانا پکانے کا ہنر اسقدر لازم اور ضروری ہے جسقدر زندگی کے لئے ہوا۔ عورت کیسی ہی قابل عالم فاضل ہنرمند ہو لیکن اگر وہ کھانا پکانا نہیں جانتی وہ اپنے شوہر کی پیاری کبھی نہیں بن سکتی۔ یہ بات دوسری ہے کہ بعض عورتوں کو کھانا پکانا نہ پڑے وہ یہ سب کام اپنے نوکر چاکروں سے لے تاہم اس فن سے اسکا واقف ہونا ضروری ہے ورنہ وہ باورچی یا ملازم کے کام میں نقص کیا نکال سکیگی۔ یا ہدایت کیا دیگی۔ بیوی اگر شوہر کے کھانے میں دلچسپی نہ لیگی تو کبھی عزیز نہ بن سکیگی کیونکہ زندگی کے کاموں میں کھانا پینا سب سے زیادہ مقدم ہے۔ آجکل فن طبّاخی پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں ضرورت ہے کہ اُن کو منگا کر پڑھے اور اُن سے مدد لے۔

میں نے ایک بڑے آدمی کی بیوی کی بابت سنا کہ اس کے یہاں اگرچہ بہت سی مامائیں اور باورچی ملازم تھے۔ لیکن وہ بیوی جب اس کے شوہر دسترخوان پر بیٹھتے تو چند چپاتیاں اپنے ہاتھ سے پکاتی اور گرم گرم بھیجتی رہتی وہ اس بات کی بھی فکر رکھتی کہ اس کے شوہر نے کافی سیر ہو کر کھانا کھایا یا نہیں اگر کمی ہوتی تو فوراً تفتیش کرتی کہ آج کس لئے کھانا کم کیوں کھایا گیا۔ اتفاق سے وہ بیوی کچھ دن کے لئے اپنے میکے چلی گئی تو میں نے دیکھا کہ شوہر کا کھانا پینا چھوٹ گیا یا وہ

انہوں نے بیوی کو واپس بلانے کے لئے بڑی دھوم دھام مچا دی وہ کہتے تھے کہ ایک ہفتے میں میرا دو پونڈ وزن کم ہو گیا اور وہ محض اس وجہ سے کہ وہ اپنی بیوی کی پکائی ہوئی چپاتیوں سے محروم ہیں۔

سینا پرونا گشیدہ کاڑھنا

اس ہنر کا رواج بھی لڑکیوں میں کافی پھیل گیا ہے جو لڑکی اس سے دلچسپی نہیں رکھتی اسے لوگ کچھ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے ۔ اور شوہر کے دل پر بھی اسکا خطرناک اثر رہتا ہے ۔ عورت کو چند فیشن اور نازک ہنر جاننے ضرور ہیں اگرچہ وہ ان کا پیسہ کو بطور پیشہ بھی نہ کرے لیکن ہو کہ اس کو ضرورت نہ پڑے کہ ان ہنروں سے اپنی روزی کمائے تاہم ہنر کبھی نہ کبھی کام آتا ہی ہے میں نے تو بڑے بڑے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے بیوی کے ہاتھ کا بنایا ہوا تکئے کا غلاف ہیرپوش اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں فخریہ اپنے دوستوں کو دکھاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اس سے پتہ چلا کہ شوہر کی محبت اور رضامندی کا تعلق ہنرمندی کے ساتھ بھی ہے۔ اس لئے بیویوں کو اس طرف سے غافل نہ ہو جانا چاہئے اگر کسی وجہ سے ماں باپ کے یہاں ایسے ہنر نہیں سکھائے گئے تو بیوی کو چاہیئے کہ سسرال میں جا کر کسی سکھانے والی کو مقرر کرے اور چند روز کی مشق کے بعد اسکا دماغ خود کام کرنے لگے ۔ یہی حال سلائی کے کام کا ہے اگر کوئی بیوی اپنے یا اپنے بچوں کے کپڑے خود سیتی ہے تو وہ اس عورت کے مقابل میں جو درزی کا بل ادا کرتی رہتی ہے زیادہ عزت سے دیکھی جاتی ہے ۔ آج کل کسی شریف بیوی کا گھر بغیر سلائی کی مشین کے نہ رہنا چاہئے ۔ اب تو ایسی مشینیں ایجاد ہو گئی ہیں جو ہر قسم کے کشیدے کاڑھنے کے کام بنا لیتی ہیں میری اس ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ مرد کی محبت ہنرمند بیوی کے ساتھ جیسی ہوتی ہے وہ بے ہنر کے ساتھ نہیں ہو سکتی ۔ لہذا لڑکیوں کا فرض ہے کہ وہ اس طرف سے لاپرواہ نہ ہوں اور جب وہ لڑکیوں کی ماں بنیں تو ان کو بھی ایسی ہی تعلیم و تربیت دیں ۔

جے پور کی رانی

قبل اس کے کہ میں دوسرا مضمون چھیڑوں اپنی سہیلیوں کو ایک تازہ اور زندہ واقعہ سنا دینا مناسب خیال کرتا ہوں شاید عجب نہیں کہ یہ دل پر اثر قبول کریں اور ان کی کچھ اصلاح ہو جائے۔

راجپوتانہ میں ایک بڑی ریاست جے پور ہے وہ اس وجہ سے اور زیادہ مشہور ہو گئی ہے کہ وہ شہر بہت خوبصورت ہے کیونکہ آباد کرنے سے پہلے اس کا نقشہ بنایا گیا تھا۔ سیاح لوگ اس کو ہندوستان کا پیرس کہتے ہیں۔ فرانس کے ملک میں پیرس شہر بہت خوبصورت مشہور ہے اس وجہ سے اسے مثال دیتے ہیں خوبصورتی یہ ہے کہ سڑکیں بہت چوڑی ہیں۔ ان کے دونوں طرف پیدل چلنے والوں کی جو پٹڑیاں ہیں وہ نہایت خوبصورت سنگین ہیں۔ درمیان میں جو سڑک ہے وہ اتنی چوڑی ہے کہ کوئی ایک سرے پر کھڑا ہو کر دوسرے سرے پر کھڑے رہنے والے کو آواز دے تو سنائی نہ دیگی۔ دوسری خوبصورتی یہ ہے کہ سڑک کے دونوں طرف جو مکانات بنے ہوئے ہیں وہ ایک طرز ایک نقشے کے ہیں اور ایک ہی رنگ سامان کا ہے۔ وہاں کا سرکاری باغ عجائب خانہ چڑیاخانہ شاہی محلات قابل دید ہیں۔

ہاں صاحب سننے کام کی بات راجہ مادھو سنگھ جی مہاراج بالقابہ جنکو انتقال کئے ہوئے مشکل سے دس بارہ برس ہوئے ہوں گے۔ ان کے بہت سی رانیاں تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایک شوہر کی جب کئی بیویاں ہوں گی تو یہ ممکن ہی نہیں کہ سب کا مزاج ایک سا ہو اور شوہر سب سے ایک ہی قسم کی محبت رکھے۔ ان راجہ صاحب کی ایک رانی تھی جو بڑے راجہ کی بیٹی تھیں۔ جہیز بہت لائی تھیں پاٹوی رانی بھی وہی تھیں۔ پاٹوی اس کو کہتے ہیں کہ شادی سے قبل طے ہو جائے کہ اس رانی کے پیٹ سے جو لڑکا پیدا ہوگا وہی راج گدی یعنی تخت و تاج کا مستحق مانا جائیگا۔) ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے رانی مذکور کو اپنے بڑے ہونے کا غرور تھا اور گھمنڈ تھا ان کو کسی قدر ضد کا

ہٹی اور چڑچڑا بنا دیا تھا۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر لڑ پڑتی تھی۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ راجہ صاحب کا دل ان سے بیزار رہتا تھا اور ان سے دور دور رہتے تھے۔ مختصر یہ کہ راجہ صاحب کو ان رانی صاحبہ سے ذرا بھی محبت نہ تھی۔

اب سنیئے ان رانی صاحبہ میں دو عادتیں عجیب تھیں جو اور کسی رانی میں نہ تھیں۔ وہ یہ کہ ایک تو یہ کہ صبح اٹھتے ہی اپنے پتی یعنی شوہر کا منہ دیکھنا اپنا فرض خیال کرتی تھیں اور یہ عقیدہ ان کا مذہبی تھا کسی مذہبی پنڈت نے کہہ دیا تھا کہ جو بیوی سو کر اٹھے تو سب سے پہلے اپنے میاں کا منہ دیکھے تو اسکا بڑا پھل یا ثواب ہے وہ اس کی بڑی پابندی کرتی تھیں جب راجہ صاحب کو یہ قصہ معلوم ہوا تو وہ بھی مجبور ہوے کہ سویرے اٹھکر رانی صاحبہ کو اپنی یاترا کرا دیں تاکہ وہ کام سے لگیں۔ مگر ایک بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ راجہ صاحب کو باہر بھی جانا پڑتا تھا اور ایسی جگہ جہاں رانی صاحبہ کا ساتھ لیجانا ناممکن سا تھا تو ایسی حالت میں رانی صاحبہ کئی کئی دن آنکھ بند کئے منہ لپیٹے یا آنکھوں پر پٹی باندھے بیٹھی رہتیں جب راجہ صاحب آتے منہ دکھاتے تو رانی صاحبہ کام سے لگتیں آخر ان دشواریوں کو یوں دور کیا گیا کہ راجہ صاحب کی درخواست پر بڑے بڑے پنڈتوں شاستریوں اور مہاتما سادھوؤں نے یہ فتوے دیدیا کہ رانی صاحبہ اٹھتے ہی راجہ صاحب کا فوٹو دیکھہ لیا کریں۔ بس کافی ہے اس طرح راجہ صاحب کا پیچھا چھوٹا۔

اب دوسری بات سنئیے رانی صاحبہ کا یہ پرن یعنی عہد تھا کہ جب تک میرے پتی یعنی شوہر کھانا کھا لیں گے میں نہ کھاؤنگی۔ چنانچہ بعض روز اگر دن دن بھر راجہ صاحب کے کھانے کی خبر نہ ملتی وہ خدا کی بندی فاقہ سے بیٹھی رہتی جب راجہ صاحب کو خبر ملتی تو افسوس ہوتا۔ راجہ صاحب نے رانی صاحبہ کو سمجھایا بھی کہ یہ بات نبہہ نہیں سکتی۔ میں ہر وقت محلوں میں بیٹھے رہنے سے رہا جو تم کو اطلاع کرا دوں۔ رانی نے کہا میں کیا کروں ہندو دھرم میں استری کا دھرم یوں ہی لکھا ہے میں اپنے ایشور کی چوری کیسے کروں اس پر راجہ صاحب

نے یہ انتظام کیا کہ جب محل سے دور رہتے تو ٹیلیفون سے کہدیتے کہ میں کھانا کھا چکا ہوں تم بھی کھالو۔ جب کبھی سیر و شکار میں ایسی جگہ جانا ہوتا کہ جہاں ٹیلیفون کا سلسلہ نا ممکن تھا تو راجہ صاحب گھوڑوں کی ڈاک بٹھلا دیتے اور اس سے خبر بھجوا دیتے خیر یہ انتظام تو حدود ریاست کے اندر کا تھا راجہ صاحب کو بادشاہ جارج پنجم کی تخت نشینی کے موقع پر لندن جانا پڑا اس وقت رانی صاحبہ کو بڑی دشواری پیش آئی راجہ صاحب بھی پریشان ہوئے اور رانی صاحبہ کو بہت سمجھایا کہ وہ اس پاگل پن سے باز آ جائیں مگر رانی نے یہی جواب دیا "پران جائیں پر بچن نہ جائے۔" یعنی جان چلی جائے مگر عہد نہ ٹوٹیگا۔ آخر راجہ صاحب نے یہ انتظام کیا کہ ہر صبح شام راستے نیز لندن سے دوا رجنٹ تار روانہ کرتے رہتے جس میں لکھا ہوتا کہ "کھانا کھا لیا"۔ اس تار کے پہنچنے پر رانی صاحبہ خاصہ تناول فرمائیں۔ یہ سب کچھ تو ہوا مگر ایک نتیجہ وہ نکلا جس کے واسطے یہ داستان طویل مجھے سنانی پڑی وہ یہ کہ راجہ صاحب کے قلب پر ایک خاص اثر پڑا انہوں نے ولایت سے واپس آ کر کل رانیوں کو جمع کیا اور کہا تم سب کو معلوم ہے کہ میں باٹودی رانی جی سے خوش نہیں ہوں اُن کی عادتوں کے باعث میرا دل اُن سے کھٹا ہے۔ لیکن کیا اُن کی قربانیاں بیکار جا سکتی ہیں انہوں نے اپنی سچی و نیک زندہ کے شوہر ہونے کا امتحان دیا اور اس میں وہ اچھے نمبروں میں پاس ہوئیں۔ لہذا میرا بھی فرض ہے کہ اُن کی محبت کا جواب محبت سے دوں اور انکی بقیہ کل کج ادائیوں سے درگذر کروں۔ میں آج سے اپنی کل رانیوں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ باٹودی رانی صاحبہ کو بڑی رانی جی کہا کریں اُنکی تعظیم کریں اور مجھ سے جو کچھ وہ چاہتی ہوں انہیں کی معرفت درخواست کیا کریں میں اُن کی سفارش بغیر کسی کی نہ سنونگا۔

میری اس واقعہ کے بیان سے صرف یہ مراد ہے کہ رانی کے ایک اظہار محبت نے راجہ کے دل کو کیسے جیت لیا۔ پھر جس بیوی میں بہت سے سامان محبت جمع ہوں گے وہ کیسے کامیاب نہ ہوگی۔ محبت محبت سے حاصل

ہوتی ہے نفرت اور شدت نہیں۔

کفایت شعاری

اکثر میاں بیوی میں ان بن محض اس وجہ سے ہوتی ہے کہ بیوی میں کفایت شعاری کا سلیقہ نہیں ہوتا اُسے اتنا شعور نہیں ہے کہ میاں کی آمدنی کیا ہے اور اُسے کس طرح خرچ کرنا چاہیے کہ پورا پڑ جائے اسی وجہ سے بعض شوہر اپنی بیویوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ اور اُن کو بجائے زر نقد کے ضرورت کا سامان گھر کے خرچ کے لئے دیتے رہتے ہیں اور بیوی کو ہمیشہ اپنے شوہر کی بے اعتمادی کی شکایت رہتی ہے اور ہے بھی بات واجبی کیونکہ بیوی کی توہین اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی مالکہ کی طرح نہ رہے۔ مگر اسکا کیا علاج کہ اگر بیوی میں خانہ داری کا مادہ نہ ہو تو میاں کہاں سے پورا ڈال سکتا ہے۔ پس ضرورت ہے کہ عورتوں کو سمجھایا جائے کہ وہ آمد و خرچ کا اندازہ کرنا اسی کے مطابق اپنا خرچ چلانا سیکھیں ورنہ اُن کو بھی مزدور کی طرح رہنا ہوگا جس کو بجز اوزار اور سامان کے کچھ نہیں دیا جاسکتا۔ مثل مشہور ہے کہ اگر گھر کا مرد کفایت شعاری نہ جانتا ہو تو مضائقہ نہیں مگر عورت کے لئے شدید ضرورت ہے کہ شوہر کی کمائی کو دانت سے پکڑے کیونکہ یہ تجربہ کی بات ہے کہ جس گھر کی عورت فضول خرچ یا ناعاقبت اندیش ہوگی وہ گھر کبھی سلامت نہیں رہ سکتا۔ بہت سی ایسی دانشمند عورتیں دیکھی گئی ہیں جو مردوں سے پوشیدہ روپیہ بچا کر رکھتی ہیں مگر وقت پڑے پر نکال کر دیدیتی ہیں اس بحث پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر میں یہ کافی سمجھتا ہوں کہ اپنی وہ تقریر جو میں نے علی گڑھ یونیورسٹی کے پنجاہ سالہ جوبلی کے موقع پر صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب مرحوم بیرسٹر کی فرمائش پر طلباء کالج کے روبرو دیا تھا یہاں نقل کردوں کیونکہ بجٹ بنا کر اپنے آمد و خرچ کا تخمینہ کرنا اس سے بہتر نہیں سکھایا جاسکتا۔ ہر عورت کا فرض ہے کہ اُسے بار بار پڑھے۔ سمجھے اور عمل کی کوشش کرے۔ کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو عورت کو مرد کی نگاہ میں محبوب ترین چیز بنا دیتا ہے۔

کیا پھر کفایت شعاری

ہم مفلس قوم ہیں

حضرات! یہ مسئلہ طے شدہ اور مسلم ہے کہ ہماری قوم مالی حالت میں جملہ دیگر اقوام سے گری ہوئی ہے حتیٰ کہ ہمارا افلاس تو دنیا میں ضرب المثل بن گیا ہے جس طرح بنگالی کے ساتھ کبھی بھوکا کہا جاتا تھا اب بھوکا مسلمان مشہور ہو گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ موجودہ زمانہ میں روپیہ جس قوم کے پاس نہ ہو وہ دنیا کی قوموں کے مقابل میں کسی قومی۔ تمدنی۔ مذہبی کام میں برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اس سے پہلے تو کہا جاتا تھا کہ اگر مسلمانوں نے اپنی حالت درست نہ کی تو وہ ذلیل ہو جائیں گے غلامی میں رہیں گے قلیوں اور مزدوروں میں انہیں بسنا ہوگا لیکن اب واقعات نے بتلا دیا کہ نہیں وہ یہ بلکہ بھی دنیا میں نہیں رہ سکتے بلکہ ان کو اپنا پیارا مذہب بھی چھوڑنا پڑے گا۔

اب جبکہ دولت کی یہ قیمت ہو گئی ہے کہ اس کے بغیر دنیا تو دنیا دین کو بھی خیرباد کہنا پڑتا ہے تو فرض ہو گیا کہ مسلمانوں کو اگر مسلمان رہ کر دنیا میں رہنا ہے تو ان پر دولت مند یا روپیہ والا بننا فرض عین ہو گیا ہے۔

موجودہ تعلیم درد کا علاج نہیں

حضرات! اب تک تو ہم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ جب ہماری قوم تعلیم میں ترقی کر لے گی ان کا افلاس جاتا رہیگا لیکن تجربہ نے بتایا کہ یہ غلط ہے کیونکہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ بھی باوجود بڑی بڑی تنخواہیں پانے کے مفلس اور تنگدست ہے بلکہ اگر یہ کہیں کہ یہ گروہ اس گروہ سے بھی بری حالت میں ہے جس کا شمار تعلیم یافتوں میں نہیں ہے تو بالکل بجا ہے۔ اگر کسی کو اس کی جانچ کرنے کا شوق ہو تو وہ کسی قومی اور مذہبی کام کے لئے چندہ مانگنے کے لئے دونوں طبقوں میں جائے تو تجربہ ہو جائے گا کہ غریب یا غیر تعلیم یافتہ طبقہ ایک ایک دو دو روپے دیکر اس کو سینکڑوں روپیہ دے ڈالیگا۔ لیکن اس کو اکثر تعلیم یافتہ گھروں سے

ناکام اور نامراد لوٹنا پڑے گا۔

مجھ سے علیگڑھ کالج کے ایک اولڈ بوائے نے کہا کہ تم کسی سے یہ نہ بتانا کہ میں علی گڑھ کا تعلیم یافتہ ہوں ورنہ اولڈ بوائے ایسوسی ایشن میرا نام درج رجسٹر کر لیگی اور پھر چندوں کے مارے میرا ناک میں دم آجائیگا۔ اور میرا یہ حال ہے کہ دو سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتا ہوں اور اس میں میرا گذر خود مشکل سے ہوتا ہے۔

حضرات! اس کا یہ مطلب نہیں کہ علیگڑھ کے تعلیم یافتوں میں قومی ہمدردی نہیں رہی یا انکو قومی اور مذہبی کاموں سے دلچسپی نہیں ہے۔ نہیں بلکہ وہ مجبور ہیں کہ اُن کی جیب خالی رہتی ہے اور ندامت سے چھپتے پھرتے ہیں یا یوں کہو کہ وہ مفلس ہیں اور ان کا افلاس انکو کچھ کرنے نہیں دیتا۔

دولت ملنے پر بھی مفلس ہی ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب دو دو چار چار پانچ پانچسو روپیہ ماہوار پانے والے بھی قلاش بنے ہوئے ہیں تو تمول کو کہاں تلاش کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ قوم محض آمدنی بڑھانے سے مالدار نہیں بن سکتی بلکہ کوئی اور چیز ہے جس کی انکو ضرورت ہے۔

حضرات جہانتک میں نے غور کیا ہے تو مجھے یہی پتہ لگا کہ جب تک ہم کفایت شعاری کا سبق نہ پڑھیں گے ہماری ساری تعلیمیں بیکار ہیں کیونکہ وقت پر وہ مزدور جس کی ماہوار آمدنی پندرہ روپئے ماہوار ہوتے ہوئے سال بھر میں پچیس روپیہ پس انداز کر لیتا ہے بہ نسبت اس ہزار روپیہ ماہوار پانیوالے کے زیادہ امیر اور متمول ہے جس کے پاس ایک کوڑی بھی نہیں بچتی اور وقت پڑے پر ہزار روپئے آمدنی والا اس مزدور کا محتاج ہوگا۔ اگر ہمارا جنٹلمین طبقہ بھی مزدور کا سبق کفایت شعاری پڑھا ہوا ہوتا تو اس کو بھی مزدور کی طرح اپنی آمدنی کا آٹھواں حصہ کم از کم پس انداز کر کے چوبیس سو روپئے سالانہ بچا تا آجاتا۔ اسوقت ہم اس کو کہہ سکتے کہ وہ بھی مزدور کا سا مالدار ہے۔

حضرات! اس سے کو معلوم ہوا کہ آمدنی میں سے کچھ بچا تا کفایت شعاری

ہے لیکن ہمکو اُن اسباب کا پتہ لگتا ہے جن کی وجہ سے تعلیم یافتہ طبقہ روپیہ پس انداز نہیں کر سکتا اس کے دو سبب میری سمجھ میں آئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہماری قوم غلطی سے اس قوم کی معاشرت کی نقل اُتار رہی ہے جس کے ہاتھ میں سلطنت ہے۔ حکمت ہے۔ تجارت ہے۔ صنعت ہے میں سچ عرض کرتا ہوں کہ انگریزی طرزِ معاشرت ہماری قوم کے تعلیم یافتہ طبقہ کو پنپنے نہیں دیتی اور جب تک یہ اس سے دست بردار نہ ہوں گے کبھی سرسبز نہیں ہو سکتے خواہ کتنی ہی تعلیم پا جائیں اور کتنی بڑی نوکری اُن کو مل جائے۔

رشوت کے گناہ سے کیسے بچے

میرے ایک دوست ڈپٹی کلکٹر نے مجھ سے شکایت کی کہ بچوں کی تعلیم پر میں روپیہ نہیں صرف کر سکتا کیونکہ ضروری اخراجات سے کچھ بچتا ہی نہیں اب سوائے اس کے اور کیا چارہ ہے کہ میں رشوت لینا شروع کر دوں اور اس کے متعلق اس نے مجھ سے دوستانہ فتویٰ مانگا وہ جانتا تھا کہ میں تعلیم کا دلدادہ ہوں اور اپنے دوستوں کو بچوں کی تعلیمی غفلت پر شرمندہ کرتا رہتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ اس سے پہلے کہ میں آپ کو رشوت ستانی کا فتویٰ دوں آپ مجھے اپنی سال بھر کی ضروریات کی فہرست بنا کر دیجئے۔ میں نے بغور مطالعہ کرنے کے بعد اُن سے کہا کہ اگر آپ فی الحال اپنے بچوں کی آئندہ زندگی پر رحم کر کے اتنی نفس کشی پر آمادہ ہوں کہ اپنی طرزِ معاشرت بالکل ویسی کر دیں تو سو روپے ماہوار بڑی آسانی سے دو بچوں کی تعلیم کے لئے بچ سکتا ہے۔

میرے دوست نے میری بات مان لی اور عمل شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف۔ کالر۔ ٹائی۔ بوٹ شو۔ نیکر۔ بنیاین۔ ریزر۔ صابن۔ میز کرسی سے ہی نے سو روپیہ ماہوار کی بچت نکال کر دکھا دی۔ میں نے کہا کہ اگر آپ مجھے زنانخانے کا حساب جانچنے کی اجازت دیتے تو انشاء اللہ دوسرا سینکڑہ آپ کے لئے میں اور نذر کر دیتا۔

انگریزی معاشرت فضولخرچی کی ماں ہے

حضرات یہ طے شدہ ہے کہ انگریزی طرز معاشرت تعلیم یافتہ طبقہ میں بری طرح گھس گیا ہے اور سخت ضرورت ہے کہ اس کی روک تھام کی جائے۔ اب یہ کام آپ صاحبان کا ہے کہ طریق انسداد تجویز فرمائیں۔ البتہ آپ صاحبان کی خدمت میں مسلمانوں کی عام مفلسی کا سبب عرض کرتا ہوں وہ سبب وہ ہے جس میں صرف تعلیم یافتہ طبقہ ہی مبتلا نہیں ہے بلکہ ایک مزدور سے لگا کر ہزاروں روپیہ ماہوار آمدنی والا رئیس تک اسکا شکار ہے۔ میری مستقل رائے ہے کہ جبتک یہ خرابی دور نہ ہوگی محض باتوں سے کام نہ چلیگا۔ آخر آپ لوگ پچاس برس سے پکار تو رہے ہیں کہ مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنا چاہیئے۔ تجارت کرنی چاہیئے صنعت اور دستکاری سیکھنی چاہیئے۔ قوم ایک حد تک آپ کی آواز پر لبیک بھی کہہ چکی ہے۔ مگر سب سے بڑی تنگدستی اور افلاس ہے کہ طاری ساری زرخیت عشق ٹھٹھ ہیں۔ بڑی بڑی سکیمیں بنتی ہیں۔ دماغی فضاؤں میں ہوائی قلعے تعمیر ہوتے ہیں مسلمانوں کی باتیں سنو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سقراط بقراط اگر قبروں سے اٹھ آئیں تو باتیں سنکر غیرت سے منہ چھپا کر واپس چلے جائیں لیکن عمل کا وقت آیا اور سناٹا چھایا وجہ صرف یہی ہے کہ جیب میں ہاتھ ڈالا تو خالی اور خیالی تصویر میں رنگ و روغن کہاں سے دیا جائے کہ عملی صورت نظر آئے۔

بجٹ سے کام کرو

خیر بہر حال وہ دوسرا سبب بھی آپکے سامنے عرض کردوں وہ سبب یہ ہے کہ مسلمان اپنی آمد و خرچ کا بجٹ نہیں بناتے اور اس اندھے کی طرح آمد و خرچ کے میدان میں چلے جاتے ہیں جسکو پتہ نہیں کہ میں کدھر جا رہا ہوں اور میری منزل مقصود کدھر ہے لوگ کہیں گے کہ بجٹ تو ریاستوں اور گورنمنٹوں و سلطنتوں میں بنتے سنتے تھے۔ آج یہ حضرت کہتے ہیں کہ سب مسلمانوں کو اپنی روٹی دال پات کہتا ہوں وہ یہ کہ بجٹ بنانا چاہیئے۔

حضرات میں عرض کروں گا کہ ہر اس بڑھیا کو بھی بجٹ بنانا چاہئے جس
کے گھر میں ایک درجن مرغیاں پلی ہوئی ہیں اور اس کی آمدنی [illegible] پانچ روپیہ
ماہوار انڈوں کی فروختگی سے حاصل ہوتی ہے۔ بھلا غور تو فرمایئے کہ جب
بجٹ بغیر ریاستیں اور سلطنتیں نہیں چل سکتیں تو آپ کے بغیر ایک گھر کیسے
سلامت رہ سکتا ہے۔ بلکہ ریاست ممکن ہے کہ اس کے بغیر کچھ دن رہ بھی جائے
کیونکہ قرضہ میں نیلام نہ ہو سکیگی۔ سرکار کورٹ آف وارڈس لیکر سنبھال سکتی
مگر گھر تو ایک سال ہی بعد سود خوار مہاجن کی نذر ہو جائیگا۔ اس لئے ہر گھر
بجٹ بنائے اور اس پر کاربند ہونے کی ریاست سے بھی زیادہ ضرورت ہے

حضرات اب صرف ہم سب کو اپنے کم علم بھائیوں کو سمجھانا ہے کہ بجٹ
بجٹ جو ہم پکار رہے ہو ہیں ہے کیا بلا۔ اُن سے ہم کو یہ کہنا ہے کہ ہر ریاست
یا سلطنت یا محکمہ سرکاری اپنی آمدنی کا صحیح اندازہ کر کے اپنے اخراجات کا
سال بھر کے لئے ایک دستور العمل بنا رکھتا ہے اس کا نام بجٹ ہے اور بجٹ بتایا
کرتا ہے کہ جس مد کے لئے جتنا روپیہ اس نے تجویز کیا تھا اسی کے اندر کام ہو جائے
گویا یہ کہنا درست ہوگا کہ بجٹ وہ چیز ہے جو چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا
سکھلاتا ہے۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ ریاستیں اپنا بجٹ کیسے بناتی ہیں۔ میں
عرض کروں گا کہ فرض کرو کہ حیدرآباد ریاست کی سالانہ آمدنی سوا سات
کرور روپیہ ہے اب جس وقت یہاں کے وزراء بجٹ سال آئندہ کا بنانے
بیٹھیں گے تو پہلے مدات خرچ قائم کریں گے۔ مثلاً شاہی ذاتی اخراجات۔
محکمہ انجنیری و تعمیرات۔ محکمہ تعلیم عامہ۔ محکمہ حفظان صحت۔ محکمہ پولیس
محکمہ فوج۔ محکمہ انسداد قحط۔ محکمہ متفرقات۔ خیرات محکمہ۔ سرمایہ محفوظ اب
ذرا غور کریں گے کہ کس مد میں کسقدر روپیہ دینا چاہئے تو ابتدا میں یہ
طے ہوا کہ شاہی اخراجات کے لئے پچاس لاکھ۔ تعلیم کے لئے ایک کرور
حفظان صحت کے لئے پچاس لاکھ۔ پولیس کے لئے پچاس لاکھ۔ فوج کے لئے
ڈیڑھ کرور۔ انسداد قحط کے لئے پچاس لاکھ۔ متفرقات کے لئے ایک کرور
اور [illegible]

کی میزان سوا سات کروڑ ہوئی۔ اب ہر محکمہ اپنی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے اپنے عہدہ لگانہ بجٹ بنائیگا اور پورے سال بھر تک اسی کوشش میں رہیگا کہ کوئی خرچ بجٹ کے باہر جانے نہ پائے۔ تو ہر سال ریزرو فنڈ میں ایک کروڑ جمع ہے اور پچاس برس کے بعد سرکاری خزانہ میں نصف ارب زر خالص موجود ہوگا۔ اب اگر خدانخواستہ ریاست پر کوئی غیر معمولی افتاد پڑی جس میں کروڑوں روپیہ کی ضرورت ہو تو ریاست بغیر کسی سے قرض لئے ایک دم خزانہ کا منہ کھول دیگی۔

برخلاف اس کے ایک ایسی بدنظم ریاست ہو کہ جہاں نہ بجٹ ہو اور نہ آمد و خرچ کا اندازہ یا بجٹ تو برائے نام ہو لیکن پابندی کی پرواہ نہیں تو تھوڑے دنوں کے بعد ریاست میں گڑبڑ شروع ہو جائے گی۔ اور کسی غیر معمولی ناگہانی ضرورت پڑتے ہی ریاست کو قرض لینا پڑے گا اور جبتک قرض ادا نہ ہوسکیگا امپیریل گورنمنٹ کو مداخلت کرنا پڑیگا اور آخر میں فیصلہ ہوگا کہ رئیس صاحب کے اختیارات چھین جائیں گے اور تھوڑا سا وظیفہ دیکر الگ بٹھلا دیئے جائینگے جیسا کہ آئے دن ہوتا ہے

ہر گھر ایک سلطنت ہے

حضرات اب میں عرض کروں گا کہ ہمارا گھر خواہ غریب ہو یا امیر ایک ریاست ہے اس کو بھی اپنا سالانہ خواہ ماہوار بجٹ بنانا چاہیئے اور دوسرے بجٹ بننے تک اس کوشش کرنا چاہیئے کہ بجٹ سے باہر نہ جاوے۔ میں مثالاً عرض کروں گا کہ فرض کیجیئے ایک صاحب سو روپیہ ماہوار کی مستقل آمدنی رکھتے ہوئے بارہ سو روپیہ سالانہ کا بجٹ اُن کے سامنے ہو اُن کو چاہیئے کہ منہ سے پہلے ایک رقم ریزرو فنڈ کے لئے الگ کریں اُن کو صرف سو روپئے ریزرو فنڈ میں رکھنا چاہیئے اب گیارہ سو روپیہ کا بجٹ یوں بنایا کہ حفظان صحت کے لئے پچیس روپیہ۔ تعمیرات کے لئے دو سو روپیہ خیرات کے لئے پچیس روپیہ۔ تعلیم کے لئے ڈیڑھ سو روپیہ متفرقات کے لئے پچیس روپئے اب بارہ سو میں سے صرف چھ سو پچہتر روپیہ رہے۔ بس اسی میں کھانا کپڑا

سال بھر جس طرح بنے چلانا چاہیئے البتہ اگر کسی مد میں بچت ہو جائے تو سال آئندہ نئی آمدنی لیکر نئے بجٹ میں صرف کرنا چاہیئے۔

چھ سو پچھتر روپے جو اخراجات خورش و پوشش کے لئے رکھے گئے تھے اُن کا بھی بجٹ بنے گا۔ خوراک اور کپڑے مہمان نوازی وغیرہ ان کی تفصیل ہوں گی اب بارہ سو سالانہ آمدنی والا جب خیرات کرے گا تو اسکو خیال رہیگا کہ میں خیرات کسقدر صرف کر چکا ہوں اور مجھے کتنا اور خرچ کرنے کا حق ہے۔ اگر بعض ناگزیر وجوہ سے کسی مد میں زیادہ صرف کرنے کی ضرورت پیش آگئی تو اس کو دیگر مدات میں کفایت کرکے وہ کمی پوری کرنی ہوگی۔ اگر اس طرح بجٹ کے عادی ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم مالی مشکلات میں پڑیں۔ بجٹ کے بغیر یہ ہوتا ہے کہ بلا اندازہ ہم ایک مد میں اندھا دھند خرچ کر ڈالتے ہیں اور جب کوئی دوسری ضرورت سامنے آتی ہے تو قرض سے کام چلاتے ہیں اور آگے چلکر سارا انتظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

حضرات یہ خیال نہ فرمایئے کہ تھوڑی آمدنی والا بجٹ پر کام نہیں کر سکتا میں عرض کروں کہ کم آمدنی والے کو بجٹ کی اور بھی ضرورت ہے۔ دس روپیہ ماہوار آمدنی والا اگر پانچ روپیہ مہینہ صرف مرمت مکان میں لگا دیتا ہے تو وہ اس بدنظم ریاست کے مانند ہے جو اپنی آمدنی کا نصف حصہ سڑکیں اور پل بنانے میں اور دیگر تعمیرات میں لگا کر اپنے اور محکموں کو ذلیل حالت پر رکھنے میں مجبور ہوگا

بجٹ غریب کیسے بناوے؟

حضرات ملاحظہ فرمایئے کہ ایک غریب انسان جس کی آمدنی ساٹھ روپے سالانہ سے زیادہ کی نہیں اگر وہ سال بھر میں ایک ٹکڑا روٹی کا دیکر ایک کتے کو اپنے گھر کی حفاظت پر آمادہ کرے تو ہم کہیں گے کہ یہ اس کی فوج اور پولیس کا بجٹ تھا اسی طرح اگر اس نے اپنے علاج کے لئے اسپتال جانے کے لئے یکہ کا کرایہ ۸ر دیا تو ہم کہیں گے کہ یہ اس کا محکمہ حفظان صحت تھا یا اس نے اپنے کوٹھے کی مرمت اور گھر کے لیپنے میں دو روپیہ خرچ کئے یہ اس کا محکمہ انجنیری تھا۔ خلاصہ یہ کہ ہر گھر خواہ غریب ہو یا امیر بجائے خود ایک سلطنت ہے اور اس کو بجٹ

پر کام کرنا ہو گا۔ اگر وہ ایسا نہ کریگا وہ یقیناً چین کی زندگی بسر نہیں کر سکتا اور اسے ہمیشہ پریشان اور تنگدست رہنا ہو گا اور اگر اس نے ناگہانی اخراجات کے لئے کچھ پیس انداز نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کے بجٹ میں ریزرو فنڈ کی کوئی مد نہ تھی اور ضرورت پر اسکو بجز قرض کے چارہ کار نہ ہو گا۔

حضرات میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان بجٹ سے کام لینا بھول گئے یہی وجہ ہے کہ ان کا حال روز بروز سقیم ہوتا جاتا ہے۔ ایک تیس روپیہ ماہوار پانے والا کلرک فوراً دس روپیہ کی رسٹ واچ خرید کر کلائی پر باندھ لیتا ہے۔ ساڑھے پانچ روپیہ کا بوٹ پہن لیتا ہے اس کو پتہ نہیں کہ کن کن مدات کے لئے اسکو کتنے روپے کی ضرورت ہو گی۔ آگے چلکر جب وہ یا اس کے گھر کے لوگ بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ سوچتا ہے کہ ڈاکٹر کی فیس اور دوا کی قیمت کہاں سے دے کیونکہ اسکے بجٹ میں میڈیکل ڈپارٹمنٹ کے لئے کوئی رقم نہ تھی۔

حضرات! اس تمام سمع خراشی کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا دستور العمل یہ ہو کہ ایک طرف آمدنی بڑھانے کی کوشش کریں دوسری طرف بجٹ کے اندر رہنا سیکھیں اور خواہ کتنی ہی تنگی سے ہماری بسر ہو لیکن جب تک ہماری آمدنی نہ بڑھے بجٹ کی مدیں اولوالعزمی سے کام نہ لے اور سرمایہ محفوظ کے نام سے ضرور کچھ نہ کچھ پڑتا رہے اور سرمایہ بغیر کسی اشد ناگہانی ضرورت کے کسی اور کام میں صرف نہ کریں۔

کفایت شعاری اپنا شعار بنائیں سادی اسلامی طرز معاشرت اختیار کریں جب ہمارے پاس روپیہ ہو گا قلب کو اطمینان اور دل کو ایک قسم کی بےفکری ہو گی۔ اور ہم اچھے کام کے لئے پیش پیش نظر آئیں گے۔

حضرات مسلمان اکثر شادی بیاہ میں مقروض ہوتے ہیں اس کی وجہ صرف یہی نہیں کہ اس میں اپنی حیثیت سے زیادہ صرف کرتے ہیں بلکہ خاص وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے ان کے یہاں کوئی بجٹ نہیں ورنہ اگر ہر گھر میں شادی بیاہ کے نام سے کوئی خاص رقم جمع ہوتی رہے تو وقت پر وہ صرف کر سکتے ہیں ایک باپ اگر شادی کی مد کے دو روپیہ ماہوار بھی پس انداز کرے

سیونگ بنک میں ڈالتا رہے تو وہ بیس سال میں قریباً پانچسو روپے کسی شادی میں بغیر مقروض ہوئے صرف کر سکیگا۔ لیکن جب اس مد فضول کے لئے اس کے پاس کوئی بجٹ نہ ہوگا تو بیٹے کے جوان ہونے پر اپنا مکان ضرور رہن رکھنا پڑے گا بہرحال بجٹ بغیر جب کوئی بادشاہ اپنا راج قائم نہیں رکھ سکتا تو اس کے بغیر کوئی گھر بھی سلامت رہنا ناممکن ہے۔

حضرات یہ بھی یاد رہے کہ بجٹ پر استقلال سے کام کرنے والا وہی ہوگا جسکو اپنے نفس پر کافی قابو ہوگا۔ کیونکہ اسے نفس سے بڑی جنگ کرنا ہوگی وہ سب تکالیف برداشت کریگا لیکن جب تک اسکا بجٹ اجازت نہ دے کسی کام کو نہ کریگا۔

اب میں مثالاً ایک واقعہ عرض کر کے اپنا لکچر ختم کرونگا۔

بجٹ ساز عیاش

میرے ایک دوست نے کسی رئیس کا ذکر کیا کہ ان کی جائداد سے ہزار روپے ماہوار ملا کرتے تھے۔ وہ رئیس عیاش بھی تھے۔ جواری بھی تھے۔ شرابی بھی تھے۔ لیکن بجٹ کے سخت پابند تھے۔ یعنی جونہی انکا خزانچی خبر دیتا تھا کہ عیاشی کی مد کا کل روپیہ خرچ ہو چکا تو وہ ایکدم عیاشی سے کنارہ کش ہو جاتے تھے اور جب اُن کو معلوم ہوتا تھا کہ شراب کی مد کا روپیہ صرف ہو چکا تو شیشہ و پیمانہ بالائے طاق رکھ دیے جاتے تھے یہی حال قماربازی کا تھا کہ اگر بجٹ کی منظور شدہ رقم ہار گئے تو اپنے گھر سے جواریوں کو ہٹا کر نکلوا دیتے تھے۔ اور اس وقت تک جب تک دوسرے ماہ کی تنخواہ نہ مل جائے سب فضول خرچیاں اور خرمستیاں بند رہتی تھیں اور پھر روپیہ ملنے پر وہ سب کام بدستور جاری ہو جاتے تھے۔ یہی حال اُنکے دسترخوان کا تھا کہ شروع ماہ میں وہ بڑا وسیع رہتا تھا۔ لیکن ۲۰ تاریخ سے دوسری یکم تک وہ روٹی چٹنی پر بسر کرتے تھے۔ اُن کی اس بجٹ بندی کا نتیجہ ہوا کہ جب مرے تو باپ کی کمائی ہوئی جائداد جوں کی توں باقی چھوڑ گئے

حضرات غور فرمایئے کہ جب ایسا بدچلن اور آوارہ انسان محض بجٹ

کے اندر کام کرنے کی عادت سے برباد نہ ہوا تو اُن لوگوں کی کیا حالت ہوگی جو نیک چلن اور مذہبی ہیں۔

اپنی سرگذشت

حضرات! اس زمانہ میں بجائے مشورہ دینے اور پند و نصائح سے کام لینے کے یہ بہتر ہے کہ انسان پہلے خود عمل کر کے دکھلائے بعد میں کچھ زبان سے نکالے۔ لہٰذا میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر قوم کے بزرگوں سے استدعا کر رہا ہوں۔ مجھ میں بجٹ سے کام لینے کی عادت فطری ہے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے بجٹ بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھایا اور خدا کا شکر ہے کہ باوجود ایک غریب حیثیت اور محدود آمدنی والا ہونے کے کبھی مالی مشکلات سے پریشان نہیں ہوا۔

حضرات ایک وقت مجھپر ایسا بھی پڑا ہے کہ میری ماہوار آمدنی بیندرہ روپے تھی اور میرے سر پر گیارہ جانوں کا بار پرورش آپڑا۔ میں نے اسوقت بھی بنا ریزرو فنڈ قائم رکھا۔ اگرچہ وہ صرف ایک روپیہ ماہوار سے زیادہ کا نہ تھا۔ دوسرا ایسا بھی وقت خدا کے فضل سے آیا کہ میرے ریزرو فنڈ یعنی سرمایہ محفوظ میں پچاس روپے ماہوار پڑنے لگے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ میرے بجٹ میں میرے باورچی خانہ کے لئے صرف آٹھ آنے ماہوار کے گھی کی منظوری ہوتی تھی۔ دوسرا وقت ایسا بھی مجکو ملا کہ سولہ روپے ماہوار کے گھی کی گنجائش میرے بجٹ میں نکلی۔ میں نے خدا کے فضل سے اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کو لکھایا پڑھایا۔ اُن کے شادی بیاہ کئے غرضکہ میں نے اپنے بل بوتہ اور حیثیت کے موافق سب حق العباد فیاضی سے ادا کئے مگر بجٹ کے اندر رہ کر ہمیشہ اطمینان اور بے فکری کی زندگی بسر کی۔ میں نے دور اندیشی اور عاقبت بینی کے اصول پر اپنی لائف مختلف کئی کمپنیوں میں انشورنس بیمہ کرا دی جس کی وجہ سے میں اس غم سے بھی بے فکر رہا کہ اگر بے وقت موت میرا کام تمام کر دے تو میرے پس ماندگان اچانک مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اب اس وقت بھی جبکہ میں گورنمنٹ سروس سے ریٹائر ہو چکا ہوں اور میری آمدنی ایک تہائی رہ گئی ہے مگر اور پنشن خواروں کی طرح مالی مشکلات کا شکار نہیں ہوا کیونکہ آمدنی کم ہوتے ہی میں نے اپنے بجٹ پر نظرثانی کی اور علی قدر ضرورت ہر مد میں کمی کردی۔

حضرات! اس وقت میں چاہوں تو اپنی ذات پر بہت کچھ صرف کرکے پرتکلف زندگی بسر کرسکتا ہوں۔ مگر میں اپنی دیرینہ سادگی اور چادر کے اندر پاؤں پھیلانے کی عادت کی وجہ سے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا اور خدا کا شکر ہے کہ میری قناعت نے مجھے تونگر کر رکھا ہے۔

میں فطرتاً قرض سے بہت گھبراتا ہوں۔ اگر مجھ پر کبھی ایک روپیہ بھی کسی کا قرض ہو جائے تو میری نیند اچاٹ ہو جاتی ہے اور جب تک ادا نہ کردوں گردن پر بوجھ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری بجٹ سازی کی بدولت مجھے کبھی اس کی ضرورت نہ ہوئی۔ اور خدا سے امید ہے کہ کبھی نہ ہوگی۔

حضرات! میں یہ بھی آپ سے کہے دیتا ہوں کہ مجھ جیسی عادتوں کا انسان اس زمانہ کے انسانوں میں ہردلعزیز نہیں رہ سکتا۔ نہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے کیونکہ ہماری قوم کی لت خراب ہے وہ مجھے بخیل اور منحوس کے نام سے یاد کرتے ہیں مگر چین بےفکری کی نیند سے میں سوتا ہوں اس سے بہت زیادہ قیمتی ہے جو فضول خرچ اور ناعاقبت اندیش ہو کر فیاض کہلاتا اور دوسروں کا دست نگر ہونا۔ مجھ سے میرے عزیز آشنا قرض بھی مانگتے ہیں میں دیتا ہوں مگر اتنا جتنا میرا بجٹ مجھکو اجازت دیتا ہے۔ میں صرف اسقدر قرض دیتا ہوں کہ اگر واپس نہ ملے تو مجھے رنج نہ ہو بلکہ میں قرض کی واپسی کا تقاضا بھی نہیں کرتا کیونکہ میں پہلے ہی سمجھ لیتا ہوں کہ یہ واپس نہ ملیگا۔ اسی وجہ سے مجھ سے کسی ایسے دوست سے کبھی ناچاقی قرض کی وجہ سے نہیں ہوتی۔

بیوی کی مدد

حضرات! یہاں مجھے کہنے کی اجازت دیجیے کہ میں اپنے اس بجٹ سازی

بھی کامیاب نہ ہوتا اگر میری رفیق زندگی بیوی میری ہم خیال اور معاون نہ ہوتی ملازمت کی حالت میں ہم اپنا ماہوار بجٹ ملکر بناتے تھے اور ایک دوسرے کو کفایت شعاری کا مشورہ دیتے تھے۔ تنخواہ ملتے ہی سب سے پہلے ریزرو فنڈ مقررہ کا روپیہ ڈاکخانہ سیونگ بنک میں جمع ہو جاتا تھا گویا وہ ہمارا نہ تھا۔ اس کے بعد جو روپیہ بچتا اس کو مہینے بھر کی ضرورتوں کے لئے پھیلا لیتے تھے۔ اگر کسی مہینے میں کسی خاص قسم کا ناگہانی خرچ آجاتا تو دوسرے ماہ کے بجٹ میں کتر بیونت کرکے پورا کر لیتے تھے۔

زنانہ نصاب تعلیم میں تعلیم کفایت شعاری داخل کیجائے

حضرات! میں پھر کہوں گا کہ اس بجٹ سازی سے بڑا تعلق گھر کی مستورات کو ہے میری تو خواہش ہے کہ میں اپنے دوست دیرینہ شیخ عبد اللہ بی۔ اے۔ ایل ایل بی سے عرض کروں گا کہ وہ اپنے زنانہ کالج میں ایک شعبہ اس تعلیم کا بھی بنا دیں کہ لڑکیوں کو یہ تعلیم خاص طور سے دی جائے کیونکہ ظاہر ہے کہ جب تک بیوی کفایت شعار اور دور اندیش نہ ہوگی مرد لاکھ سر پھوڑے کامیاب نہ ہوگا۔

مثل مشہور ہے کہ میاں کی فضول خرچی سے گھر اتنا تباہ نہیں ہوتا جیسا کہ بیوی کے پھوڑپنے سے۔ کاش ہماری عورتوں میں اتنی سمجھ آجائے کہ روپئے کی بڑی قوت ہے اگر یہ جیب میں ہے تو عزت ہے ورنہ انسان ہوا سے ہلکا اور پانی سے پتلا ہو جاتا ہے۔ ایک شخص فقیر کو بھیک نہیں دیتا دوسرا اتنا دیتا ہے کہ دوسرے روز خود بھیک مانگنے لگتا ہے۔

بخل اور کفایت شعاری میں فرق

ہماری قوم بخل اور کفایت شعاری کا فرق نہیں جانتی نہ اُسے اسراف اور سخاوت میں فرق کرنا آتا ہے اور یہی بڑی دانشمندی کا کام ہے۔ احمق کسی چیز میں کو بخیل کہہ دیتے ہیں اور کسی مسرف کو فیاض کا خطاب دے دیتے ہیں انکی سرحدیں اسقدر ایک دوسرے سے بعید ہیں کہ ان کو جاننا پہچاننا عقلمندی ہی کا کام ہے۔ اسراف اور فضول خرچی کی مدات اکثر عورتوں کی ضروریات

زندگی میں زیادہ ہیں۔ اس لئے کسی عورت کا کفایت شعار ہونا بہ نسبت مرد کے زیادہ ضروری ہے۔

غلط کفایت شعاری

میں نے ایک بیوی کو دیکھا کہ وہ ایک ہی بن سے پورے ایک گھنٹہ اس بات پر لڑتی رہی کہ اس نے اُس روز کی دھلائی میں ایک پیسہ زیادہ کیوں مانگا مگر دوسری دفعہ جب وہ دھوبن اسکا چار روپیہ کا دوپٹہ کھو آئی تو اس نے پرواہ نہ کی۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ بے ڈھنگی کفایت شعاری ہے اسی کو کہتے ہیں کہ اشرفیوں کی لوٹ ہو اور کوئلوں پر مہر۔

بجٹ سازی کوئی مشکل کام نہیں

حضرات! ممکن ہے کہ بعض طبائع باوجود میری اس طرز عمل کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھنے کے بھی اس قابل سمجھتے ہوں گے کہ یہ بڑا مشکل کام ہے کہ ہر معمولی انسان بجٹ بنانے بیٹھے اور اس لئے ناقابل عمل سمجھکر چھوڑ دیا جائے

میں کہتا ہوں کہ عادت کرنے کے بعد یہ کام منٹوں کا ہے اور آسانی سے کیا جا سکتا ہے اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ ہم آسانی سے یہ پتہ لگا لیں کہ ہماری کون سی ضرورتیں ناگزیر ہیں جن کے بغیر ہم رہ نہیں سکتے اور کون سی ایسی ہیں جنکو ہم بلا کسی تکلف کے پس پشت ڈال سکتے ہیں۔ ہمکو یہ سوچنا بھی آجائیگا کہ پچھلے بجٹ میں ہم نے کتنے ایسے اخراجات کئے جن کے بغیر ہم رہ سکتے تھے اور آئندہ بجٹ میں اسکا خیال رکھ سکیں گے۔

روپیہ کمانا آسان اور خرچ کرنا مشکل ہے

ایک واقعہ اور آپ کے گوش گذار کرنا مناسب خیال کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک موقعہ پر چند مسلمانوں کے ساتھ ایک مارواڑی بھی سفر کر رہا تھا۔ راستہ کٹنے کے لئے دوستانہ باتیں ہونے لگیں اور دل بہلانے میں مختلف قسم کے مبحث پیدا ہو گئے۔ مارواڑی نے امتحاناً ہم مسلمانوں سے کہا۔ کیوں میاں اجی دنیا

ہیں روپیہ کمانا مشکل ہے یا اس کا خرچ کرنا۔ ہم سب مسلمان جلدی سے کہہ اٹھے کروا ہ یہ کون سی بات کہی سب جانتے ہیں کہ روپیہ کمانا مشکل ہے۔ اس کے لئے بڑی عقل اور ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ خرچ کرنے میں کیا دھرا ہے جتنا چاہیں خرچ کر دیں۔ مارواڑی ہماری سادہ لوحی پر ہنس پڑا اور کہا کمانے میں اتنی عقل و ہوش کی ضرورت نہیں جتنی کہ خرچ میں ہے۔ کیونکہ روپیہ اگر بھاگنا چاہتا ہے اس کو روکنا بڑی طاقت کا کام ہے روپیہ پیدا کر لینا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ اس کا روکنا ہے۔

مثل مشہور ہے کہ آنے والے روپیہ کے دو پاؤں اور جانے والے کے ہزار پاؤں ہوتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کے سامنے دو کام ہیں ایک تو روپیہ کمانا سیکھنا ہے اور پھر اس کا روکنا جب جا کر کہیں دنیا کی جدوجہد میں قدم ٹھہر سکتا ہے

حق کے مقابلے میں دنیا نہ ڈرنا چاہیئے

ہمکو یہ ڈر نکال دینا چاہیے کہ لوگ ہمکو کنجوس منحوس کہیں گے اور بڑی بہادری سے سادگی اور کفایت شعاری کی طرف لوٹ پڑنا چاہیئے۔ جب ہاتھ میں روپیہ ہوتا ہے عزت خود بخود گھر میں آجاتی ہے عقل ترقی کرنے لگتی ہے۔ اطمینان کی وجہ سے ترقی کے راستہ نظر آنے لگتے ہیں۔ خیرات میں ملنے لگتی ہے۔ دوسروں سے سلوک کرنے پر دل خود بخود مائل ہوتا ہے۔ دل میں بہادری اور شجاعت آجاتی ہے ذاتی اور قومی آن بان پیدا ہو جاتی ہے۔ خالی ہاتھ والے کا دل ہر وقت فکر مند رہتا ہے اسکا دل بھٹکتا پھرتا ہے۔ نیت بھی درست رکھنی مشکل ہو جاتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ مسلمان اگر اپنی آن قائم رکھنا چاہتے ہیں تو روپیہ پیدا کریں اور روپیہ بچائیں ورنہ زبانی گیدڑ بھبکیوں سے کام نہ چلیگا۔ اس کے بغیر قدم قدم پر گاڑی رک جاتی ہے۔

بخیل کہنے والوں سے مت ڈرو

کسی کا قول ہے کہ جو لوگ ہماری کفایت شعاری کو بخیل کہہ کر ہنستے ہیں

عنقریب اُن کی فضول خرچی کی وجہ سے جو اُن کی حالت ہوگی دنیا اُن پر روئیگی۔

دعا

خدا سے دعا ہو کہ لفظوں میں اثر ہو اور ہماری قوم عاقبت اندیش ہو کر نفس سے جہاد کرے اور اُس کو چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلانے دے اور بحیثیت مسلمان کے اُن کا ایمان ہو کہ کل جب قیامت میں یہ پوچھا جائیگا کہ تمہارا روپیہ کس ذریعے سے آیا تو یہ بھی سوال ہوگا کہ تم نے کہاں خرچ کیا۔

عورتوں کو کفایت شعاری کا سبق

جیسا میں نے عرض کیا ہو کہ گھریلو کفایت شعاری کا تعلق زیادہ تر گھر کی عورتوں سے ہے اس لئے سمجھ دار مردوں کا فرض ہونا چاہیئے کہ کفایت شعاری کی اہمیت اُن کے ذہن نشین کریں اس معاملہ میں سختی سے کام نہ لینا چاہیئے لطف یہ ہو کہ وہ خود سمجھکر صحیح راستہ پر چل نکلیں۔ بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ گھر کے ریزرو فنڈ کو ڈاکخانے کے سیونگ بنک میں رکھا جائے یا اس کے کیش سرٹیفکیٹ خریدے جائیں۔ زیور کوئی اچھی چیز ثابت نہیں ہوا۔ آدھا سونا اُن کے گھر رہتا ہے۔ چوری چکاری کا ہر دم کھٹکا۔ لبعض اوقات جان تک اس کے نذر ہو جاتی ہے۔ آخر میں روپیہ کے آٹھ آنے مشکل سے رہتے ہیں تاہم اگر عورتوں کے فطری شوق کو پورا کرکے کو زیور ہی بنانے سے کام چلے تو کچھ کوئی مضائقہ کی بات نہیں زیور کے لالچ سے عورتیں کفایت شعار بننے پر آمادہ ہو جاتی ہیں بلا سے روپے کے آٹھ آنے ہی سہی کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔

بچوں کو کفایت شعاری کی تعلیم

بچوں کو اس طرف مائل کرنے کی آسان ترکیب صرف یہی ہو کہ ہر بچہ کو اگر گھر بطور بازار خرچ کے دیا جاتا ہو تو وہ بجٹ میں رکھ کر باہوار دے دینا چاہیئے اور اُن سے کہنا چاہیئے کہ اپنا حساب رکھیں اور آخر میں بتلا دیں کہ انہوں نے کفایت

شعاری کرکے کتنے پیسے بچائے جو بچہ زیادہ بچائے اس کی حوصلہ افزائی کی جائے فضول خرچ کی ہنسی اڑائی جائے جب اس کے پاس دس پانچ روپیہ جمع ہو جائیں تو اس کو ڈاکخانہ میں حساب کھولنے کا مشورہ دیا جائے ایسے تربیت یافتہ بڑے ہو کر نہایت باسلیقہ کفایت شعار انسان بنیں گے۔

ایک اور ترکیب

جن خاندانوں میں کسی قسم کی تجارت ہوتی ہو وہ عورتوں اور بچوں کے بچائے ہوئے روپیہ کو کسی غیر مخدوش تجارت میں لگا دیا کریں اور اس سے جو منافع ہوا کرے اُن کو دیا کریں یا اصل میں بڑھا دیا کریں۔ اس سے کفایت شعاری اور پس اندازگی کے علاوہ تجارت کا شوق پیدا کرانا بھی مقصود ہے۔

بچوں کو میلوں تماشوں سے بچاؤ

فضول خرچی کے گھر میلے تماشے اور بازار ہیں جو شخص بازار اور میلے میں کم جاتا ہے اس کا روپیہ بلا اشد ضرورت صرف نہیں ہوتا کیونکہ فطرت انسانی یہ ہے کہ چیز کو دیکھ کر ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے بچوں کو بازار اور میلوں میں کم جانے دیا جائے۔

انجمن سازی

یہ بھی کرنے کا کام ہے کہ ہر شہر میں ایک ایسی انجمن ہو جس کو انجمن کفایت شعاران یا ایسا ہی کچھ کہا جائے ماہوار جلسہ ہو اسی مضمون کے متعلق تقریریں ہوں اس کے بعد ہر ممبر بیان کرے کہ اُس نے گذرے ہوئے مہینہ میں کفایت شعاری کے ذریعہ کس قدر روپیہ بچایا اور پھر اول۔ دوئم۔ سوئم نمبر والے کو مشتہر کیا جائے شروع میں قوم ہنسی اڑائیگی کوئی اسکا نام مدرسۃ البخل کوئی مجلس تارکی کا خطاب دیگا مگر صبر سے برداشت کرنا ہوگا۔ بچوں کی ایک انجمن جداگانہ ہو تو بہتر ہے۔ چونکہ کفایت شعاری سادگی تجارت کے ابتدائی اسباق ہیں اسلئے اس کے بعد ہی قوم میں تجارت کا ذوق پیدا ہو جانا یقینی ہے۔

مفلس کی دعا

الہی تو سب کچھ دے مگر ایک مفلسی نہ دے۔ بیماری ہو گی اُسے بھگت لیں گے۔ بے علمی ہو گی اسے سمجھ لیں گے۔ کمزوری بھی اُٹھا سکتے ہیں۔ تلواریں بھی کھا سکتے ہیں۔ پر ایک تنگدستی نہیں اُٹھا سکتے۔ یہ کلموہی جس گھر میں جاتی ہے سو سو روپ لاتی ہے۔ بھوکا یہ سلائے پیاسا یہ پھرکائے۔ معصوم بچوں پر ترس یہ نہ کھائے۔ بوڑھے اپاہجوں پر رحم اسے نہ آئے۔ جی کو یہ جلائے۔ جان کو یہ گھلائے۔ جیتے جی یہ مارے زبردستی۔ ہری یہ بلوائے۔ بھلے چنگے کو بیمار یہ ڈال دے۔ شاہ کو چور یہ بنا دے۔ حکمت میں لقمان ہو۔ اور گرہ میں کچھ نہ ہو تو کوئی منہ نہیں لگاتا۔ مرتبہ میں ولی ہو اور کچھ فیض نہ پہنچائے تو کوئی اس کے پاس نہیں پھٹکتا۔ فاضل بھی اس کے آگے اپنا فضل و ہنر بھول جاتا ہے اور عاقل بھی اس جناتنی (بھوت بن) کے سامنے بول جاتا ہے (عاجز ہوتا ہے) الہی افلاس کس بلا کا جادو ہے کہ جہاں اذان دیتے ہیں اُدھر وہیاں جا پڑا اور مؤذن غوطے کھانے لگا۔ قرآن پڑھنے میں اُدھر خیال گیا اور منتشا نے اپنا رنگ جمایا نہ نماز ہی میں دل لگتا ہے اور نہ خدا ہی یاد آتا ہے۔ پیٹ میں پڑتی ہے تو سب کچھ سوجھتا ہے۔ بقول شخصے۔ پیٹ میں پڑیں روٹیاں تو سب نکلاں موٹیاں مفلسی میں ہنر بھی کام نہیں آتا ہے اور طاقت ہی کچھ ساتھ دیتی ہے۔ اگر ہنرمند کے پاس دام نہ ہوں تو کہاں سے اوزار خریدے کس سے قرض ادھار لائے مفلس اگر بے غرضانہ سلام کرے گا تو اس کے سلام کو سلام روستائی سمجھیں اور جو کسی بات کی سچی تعریف بھی کرے گا تو اسے بھٹئی جانیں گے۔ اگر کوئی کتاب بنائیگا تو کبھی مقبول عام نہ ہو گی اور جو کسی عزیز کو دانشمندانہ صلاح دیگا تو وہ کبھی بے غرضی پر محمول نہ ہو گی۔ اگر مفلس کسی تقریب میں جائیگا اور وہاں شیرینی بٹتی ہو گی تو سب کو اگر چار چار ڈلیاں ملیں تو وہی ملیں گی وہ بھی ناک بھوں چڑھا کر۔ بے حیا یہ کہلوائے۔ بے شرم یہ بنوائے۔ جسکا کوئی مرجاتا ہے اس کے نہایت درجہ تین دن ماتم رہتا ہے مگر مفلس کا

گھر سدا ماتم کدہ اور یہ ماہ محرم نہار رہتا ہے۔ دولتمند سے کوئی قصور ہو تو سب چھپا ڈالیں مفلس سے کوئی خطا ہو جائے تو بانس پر چڑھا دیں مفلس کا مردہ بھی خراب اور اسکی زندگی بھی خراب بھلا جب جیتے کو کوئی نہیں پوچھتا تو مردہ کو کب پوچھے گا اس کا جنازہ بھی ہم اٹھائیں گے تو اس لحاظ سے کہ کہیں ہمارا محلہ نہ سڑ جائے بیماری نہ پھیلے کسی کو بھوت بن کر نہ چمٹے۔ جی چاہا تو سڑا سا سڑی کچھ کفن بھی دیا۔ نہیں دیا تو یوں ہی دبا دیا۔ دنیا میں بھی مٹی خراب ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے۔ پیٹ بھرتا تو عبادت کرتا ثواب کماتا وہاں کے عذاب سے چھوٹتا۔ اب کیا کرے جیسی پڑے وہی بھرے۔ ہائے رے مفلسی اگر بیوی ہے تو گہنے پاتے کو ترستی ہے۔ چوڑی مہندی کو پھڑکتی ہے۔ سہاگن ہے تو بیوہ سے زیادہ ہاں ماتا والی ہے پر دل افسردہ۔ بیوی تو بیوی میاں کے کپڑے بھی دیکھو گے تو بنئے کے توشہ خانے میں نظر آئیں گے۔ کوئی سود کے بدلے پڑا ہوگا کوئی مول ہی بیہرا ہوگا۔ اگر گھر کا مکان ہے تو بلی مفلسی کی وجہ سے اس کی کڑیاں بکوا رہی ہے۔ کواڑ اکھڑ رہے ہیں۔ زنجیر کے چنے لئے جاتے ہیں۔ قلابے دوسرے دن کے لئے رکھے جاتے ہیں اور جو چھپر ہے تو بانس کباڑیے کی دکان پر پہنچے پھونس جلانے کے کام آیا یا بھٹیارے کے ہاتھ بیچا گیا۔ جب کاٹ کباڑ ہو چکا تو اینٹوں کی نوبت پہنچی۔ جو پہلے مکان کہلاتا تھا اب کھنڈر کہلانے لگا۔ جوڑنے میں کھڑے رہ گئے۔ رات کو اوس کھائی تو دن کو دھوپ نے گرمائی دکھلائی۔ مینہ برسا تو بندر کی طرح بھیگ گئے۔ جاڑا پڑا تو اکڑ گئے۔ آندھی آئی تو خاک میں اٹ گئے۔ اولے پڑے تو سر پھٹے۔ مفلسی کیا آئی کہ قیامت آئی۔ اگر خدا نے چاند سی صورت دی ہے معشوق بنایا ہے اور بی مفلسی بھی اسیر سمجھ گئی ہے تو اسی خوبصورتی میں سو رخنہ نکال دئے ہیں چاند سے منہ کا طباق سا منہ ہو گیا۔ بڑی بڑی آنکھوں کی پھٹی پھٹی آنکھیں کہلانے لگیں۔ اگر چھریرا بدن تھا تو چھپکلی نام رکھا گیا اور جو بھرا بھرا بدن تھا تو گولا و نام ہوا۔ جتنی بھلائیاں تھیں سب برائیوں سے بدل گئیں۔ گیا تو لوگ انہیں دیکھنے آیا کرتے تھے کیا یہ خود اُن کا ہاتھ تکنے کو جانے لگے نہ وہ قدر رہی نہ وہ بات رہی غریب کی جوانی جاڑوں کی چاندنی کی طرح بے لطفی سے کٹی۔ اگر میاں مفلس بیگ کسی پر عاشق ہوئے اور بی مفلسی بیگم بھی خبر لگا کر پہنچیں تو وہی مثل ہوئی ایک تو

کریلا دوسرے نیم چڑھا۔ انہوں نے جاتے ہی بنتا ہوا معاملہ بگاڑ دیا اول تو یوں ہی بیچارے عاشق کی قدر نہیں ہوتی۔ مگر جب یہ سبز قدم سہاگ بھری تشریف لائیں۔ ان کا پھیرا ایسا ہوا کہ معشوق کے دل میں سو طرح کی بدگمانیاں پیدا ہوگئیں۔

مفلسی سب بہار کھوتی ہے مرد کا اعتبار کھوتی ہے

اگر اس کے گھر پر گئے تو یہ گمان ہوا کہ مال تاکنے آیا ہے اگر اس سے ملنے گئے تو غریب مفلس کسے بھاتا ہے کوئی خود دھکے دیتا ہے کوئی اپنے نوکروں سے نکلوا دیتا ہے جس سے کبھی تم نے نہیں سنا تھا وہ بھی تو کہنے لگا چل ہٹ کا۔ آپ آپ حضرت کہتے ہوئے منہ سوکھتا تھا اب ایسے تیسے کہتے ہوئے انہیں شرم نہیں آتی اس مفلسی کے طفیل گالیاں بھی سنیں اور جوتیاں بھی کھائیں۔ حاکم کے یہاں گئے تو وہاں بھی اس کی سلامتی میں داد کو نہ پہنچے۔ چپراسی ذرا انگل کا پٹا ڈالے ہوئے جدا کھونے لگے۔ اہلکار جدا کھا جانے کو دوڑے حاکم نے بھی بے اعتبار ٹھہرایا لاچار ہو کر روتا پیٹتا اپنے گھر چلا آیا۔ شرافت کو اس سے بٹہ لگتا ہے۔ دنیا کے عیب اس میں ہو جاتے ہیں اور خوبیاں خود بخود دولت کی طرح گھٹ کر چلی جاتی ہیں۔ اگر بیچارے مفلس نے جوں توں کر کے اپنی دختر بد اختر کا بیاہ ٹھہرایا تو ادھر جہیز کے لالے پڑے ادھر کمینوں میں چرچے شروع ہوئے کہ اس کے گھر کی کس امید پر ٹہل کریں۔ یہاں سے کیا خاک ملیگا۔ ادھر سے جلال خوری آئی گڑ لین کا سا جہیز دیکھ کر ہنس گئی۔ ادھر سے چماری آئی تو چھدرا پلنگ دیکھ کر دانت نکال گئی۔

اور جو خدا نے کوئی برخوردار دیا ہے اور وہ مثل بھی صادق ہوئی ہے کہ مفلسی میں آٹا گیلا اور نیستی میں برخورداری اور اسی حالت میں اس کے بیاہ رچانے کی بھی دل میں سما گئی تو یہاں اس کم بخت کی اور بھی چیڑ بنی طرح طرح کی رسوائی دکھائی۔ کیسا باجا کیسا گانا کیسی روشنی کیسی براتی کیسا جوڑا۔ باپ براتی ہو تو ماں سمدھن ہے برات چڑھی تو اس دھوم سے اور بیاہ کر کے چلی تو اس خواری سے کہ شہد سے کنجڑی بیٹ رہے ہیں۔ بھاٹ سوم گا گا کر انہیں کو دیا

کوئی لو لو کہتا ہے گھر میں آئے تو چولھے آگ نہ گھڑے پانی۔ دلہن نے سسر
کو بچھو ٹھہرایا۔ بیٹے نے باپ کو نالائق بنایا غرض اس مفلسی کے سبب بیٹی بیوی کی پہچان
چھٹی۔ جیتا یوں بیاہا گیا۔

آدمی کیسا ہی عقلمند ہو مگر مفلسی اسکو بیوقوف بنائے بغیر نہیں چھوڑتی عقیل
کو بھی ایک دفعہ بے دم کا گدھا کہلوا دیتی ہے۔ کوئی بے دال کا بودم کہتا ہے
کوئی احمق کی دم کہتا ہے۔ ع۔ زیست عشق چل چلیں

بیچارے مفلس کے ناخن دیکھو تو کدالیں سی نکل رہی ہیں۔ مونچھوں پر نظر ڈالو
تو منہ کے اندر چلی جا رہی ہیں۔ ریچھ کے سے بال بڑھ رہے ہیں۔ ساری قیدیوں کی سی
شکل ہے لوگ اس سے بھاگتے ہیں وہ لوگوں سے شرماتا ہے ٹوٹی جوتی ہے
تو پھٹا انگرکھا ہے۔ ٹوپی کا چندوا ہے تو گردہ ندارد اور اگر گردہ ہے تو چندوا
غائب۔ دولتمندی کے زمانہ میں سو شریفوں کے ایک شریف تھے۔ اب
سو کمینوں کے ایک کمین ہیں تعظیم و تکریم تو درکنار اب کوئی آنکھ بھی نہیں ملاتا
جو لوگ پہلے مسند پر بٹھاتے تھے اب جوتیوں پر بیٹھنے نہیں دیتے۔ جہاں کے
بدمعاش ہیں تو یہ ہیں اٹھائی گیرے ہیں تو یہ ہیں۔ اگر مسجد میں خدا کا گھر سمجھکر
جا نکلے تو وہاں سے بھی نکالے گئے کسی نے کہا جوتیاں چرانے آیا ہے کوئی
بولا لوٹے سمیٹنے آیا ہے۔ کسی نے کہا کہ کل یہی بدھنیاں لے گیا تھا کسی نے
فرمایا سقابہ بھی خراب کر جاتا ہے کائیں کائیں کر کے سب ملا نے چمٹ گئے اور
بیچارے کو دھکے دیکے نکال دیا۔

انگلستان کی سلطنت جو اس زمانہ کی سلطنتوں پر فوق رکھتی ہے
اسکا یہی سبب ہے کہ وہ دولتمندی میں کسی کو اپنے برابر نہیں ہونے دیتی۔
اور نہ کسی کا حق تلف کرتی ہے لیکن دین کی بڑی کھری ہے۔ انگلستان کا
نوٹ ہر جگہ فایدہ سے بکتا ہے اور دیگر سلطنتوں کا نوٹ بٹے سے بھی
کوئی نہیں خریدتا یہ ساری باتیں انگلینڈ کی کفایت شعاری سوداگری
اور آزادی کا ثمرہ ہیں۔

کاش ہمارے بھائی بھی مفلسی کا ساتھ چھوڑیں محنت سے۔ ایمانداری سے

حرفت سے صنعت سے مزدوری سے۔ اجرت سے چار پیسے کمائیں۔ دو اٹھائیں اور دو ایسے وقت کے لئے بچائیں۔ جس قناعت کفایت شعاری سے ہے اور سب سے بڑی دولت پس اندازی۔ اپنی قوم میں، غیر قوم میں، عاقل میں حکیم میں۔ دنیا میں دین میں۔ چار پیسے کی عزت ہے۔ ہاں جو عورت اور حرمت کو دو لونڈیاں سمجھ کر آزاد کر دے وہ چاہے جس طرح بسر کرے۔ (مخزن)

اتفاق سے مخزن کی پرانی فائل میرے ہاتھ آگئی جس میں یہ مضمون مفلسی نگاہ سے گذرا۔ دل نے چاہا کہ اسے بھی شامل کفایت شعاری کر دوں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ آج سے سولہ برس پہلے بھی کوئی میرا ہم خیال یہی رونا رو گیا ہے۔

ایک اور حکایت

ناظرات کتاب ہذا۔ تم نے کفایت شعاری نہ الامیر کا لیکچر پڑھا۔ اگر غور سے نہ پڑھا ہو تو پھر پڑھو اور پھر پڑھو اور غور کرو اور پھر غور کرو نہ سمجھی ہو تو سمجھو اور پھر سمجھو کیونکہ اس مسئلہ کو نہ سمجھنے سے گھر کے گھر اور خاندان کے خاندان تباہ ہو گئے ہیں۔ اچھا اب لگے ہاتھوں ایک فسانہ اور سن لو جس میں اخلاق کا باب بند کرتا ہوں۔ یہ کہانی بھی میں نے عرصہ ہوا عورتوں کی اصلاح کی غرض سے ...... لکھی تھی جو بہت پسند کی گئی تھی آج مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ اسے اس کتاب میں داخل کر دوں کیونکہ اس میں خانہ داری اور کفایت شعاری کی بے مثل تعلیم ہے۔ اس قصہ میں تم پڑھو گی کہ ایک عورت میں ساری دنیا کی خوبیاں تھیں۔ لیکن ایک فضول خرچی کا عیب ایسا تھا کہ اس نے اس کے شوہر کی زندگی کو تلخ کر دیا تھا اور اسی وجہ سے اس کا دل بیوی سے بیزار رہتا تھا۔ آخر جو نہیں یہ عادت اس نے چھوڑ دی اور اپنی اصلاح کر لی وہ شوہر کی چہیتی بیوی بن گئی اور ساری عمر اس کا شوہر بیوی کا عاشق بنا رہا۔

جمیلہ خاتون اور خلیل کا قصہ

جمیلہ خاتون

زندگی کا پہلا دور

سید محمد جلیل لکھنؤ کے رئیسوں میں سے تھے ایک وہ وقت تھا کہ دروازہ پر ہاتھی بندھا رہتا تھا۔ مگر غدر کے بعد شریف گروہ کا وہ سیلاب آیا کہ انکی عزت و دولت کو بہائے بغیر نہ رہا۔ ان کی ساری جائداد دوسروں کے قبضہ میں چلی گئی اور یہ غریب روٹیوں کو محتاج ہو گئے مگر تھے وضع کے پابند اور دور اندیش پندرہ روپیہ کی نوکری فوج میں کر لی۔ لیکن کسی عزیز و قریب کے احسان کے تلے دبنا منظور نہ کیا۔ محمد جلیل کے اس غریبی میں ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام انہوں نے خلیل احمد رکھا۔ باپ اس تنگی میں بھی بیٹے کی تعلیم و تربیت سے غافل نہ تھا اور ابتدائی تعلیم اردو فارسی کی دلوا کر انگریزی مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ خلیل احمد کچھ تو فطرتاً ذہین اور طباع تھا اور دل میں خیال کرتا تھا کہ اسکا باپ مشکل سے گذر کرتا ہے پھر سلیم الطبع اور باوضع باپ کی تربیت نے اسے اور بھی ہونہار بنا دیا۔ اس نے سولہ برس کی عمر میں انٹرنس پاس کر لیا اور ایف۔ اے میں داخل ہو گیا مگر تعلیم کے اخراجات اب خلیل اپنے قلیل البضاعت باپ کے بوتے سے باہر تھے مگر بیٹے کے مشورے سے اپنے رہنے کا مکان انہوں نے ایک مہاجن کے پاس رکھدیا۔ جوں جوں ضرورت پڑتی وہ اس سے لیکر کالج کی فیس اور کتابوں وغیرہ کے خرچ میں صرف کرتے رہے۔ خدا کی شان ادھر تو خلیل نے ایف۔ اے کا امتحان دیا۔ ادھر اُن کا غریب باپ دو روز بیمار رہ کر دنیا سے چل بسا۔ ایسی حالت میں خلیل کی بے بسی قابل افسوس تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ بغیر بی۔ اے پاس کئے کالج نہ چھوڑونگا۔ مگر ساری تمنائیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں اور اسے تعلیم کو بند کرنا پڑا۔ کالج چھوڑ کر اسے نوکری کی تلاش ہوئی اور اسی سلسلہ میں وہ کانپور آیا جہاں اُسے خوش قسمتی سے ایک چالیس روپیہ ماہوار کی جگہ حافظ محمد حلیم صاحب مشہور سوداگر چرم کے کارخانہ میں مل گئی اور خلیل

کی دیانتداری اور قابلیت نے حافظ صاحب کو یہاں تک خوش کیا کہ انہوں نے چھ ماہ کے بعد ہی دس روپیہ کی اور ترقی دی اور اُن کی ہر طرح عزت کرنے لگے۔ خلیل کو سب سے پہلے خیال ہوا کہ باپ کے وقت کا قرض کسی طرح اُتار کر اپنے موروثی مکان کو مہاجن کے پنجے سے نکالے۔ چنانچہ اس نے بیس روپیہ ماہوار میں اپنی زندگی نہایت کفایت شعاری سے شروع کی اور بیس روپیہ ماہوار برابر دیتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت تھوڑے عرصہ میں سارا قرض ادا ہو گیا اور خلیل کا مکان اس کے قبضہ میں آ گیا جس کو اس نے دس روپیہ ماہوار کرایہ پر دیدیا۔

زندگی کا دوسرا دور

نا داری اور غریبی بھی کیا بُری چیز ہے انسان کی ساری خوبیوں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ ساری خدائی کی شرافت نجابت اور علم و فضیلت ایک طرف اور دولت و خوشحالی ایک طرف دولتمند یا خوشحال شخص اپنی دولت کسی کو بانٹتا نہیں پھرتا اور نہ غریب یا تنگی سے گذران والا کسی سے چھینتا پھرتا ہے مگر عجیب بات ہے کہ خوشحال کو سب عزت اور مفلس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں خلیل کے باپ سے جوں ہی امارت اور تمول نے منہ موڑا سارے عزیز و اقارب کنبے والے دور دور رہنے لگے کہ گویا کسی سے کچھ تعلق ہی نہیں۔ مدد دینا تو ایک طرف بعض تو آوازے کستے اور اس کے دل کو زخمی کرنے کے لئے تیر و تلوار کا کام زبان سے لیتے۔ آج خلیل سب کو کھاتا پیتا نظر آنے لگا۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ لڑکا ہر طرح قابل ہے پچاس روپیہ ماہوار کما کر لاتا ہے۔ مکان بھی چھڑا لیا ہے اور عنقریب اور جائداد خریدنا چاہتا ہے اب سب رشتے ناتے والے اُدھر رخ کرنے لگے۔ باپ کی زندگی میں تو خلیل کو رشتے داروں کے جاننے کی نوبت نہ آئی مگر آج سب اپنا رشتہ جوڑنے لگے اور خلیل کو معلوم ہوا کہ اس کے کنبے کے آدمیوں سے اپنا آبا کا سارا محلہ بھرا پڑا ہے انہیں میں سید محمد جمیل تھے جو منصفی کی پنشن

کہار رہے تھے زندگی میں کمایا تو بہت کچھ مگر وہی آمد و خرچ کے برابر اصول نے انہیں کبھی کرج بیک ہٹنے دو گوش رکھا چھوڑا ہے بال بچوں وغیرہ سب کی صرف پیٹ پر گذر رہے۔ محمد جمیل کے ایک کنواری لڑکی ہے جس کا نام جمیلہ خاتون ہے۔ جس کی تعلیم و تربیت میں باپ نے کچھ اتنی کوشش تو نہیں کی مگر جمیلہ کی خداداد ذہانت اور بڑھے ہوئے شوق نے جمیلہ کو خاصہ اچھا عالم بنا دیا ہے اردو فارسی تو اس نے باپ سے پڑھی بعد میں اس کے پڑوس میں مدرسہ نسواں تھا جو سرکار کی طرف سے کھلا تھا وہ اس میں جانے لگی اور رفتہ رفتہ حساب جغرافیہ تاریخ اردو انگریزی میں طاق ہو گئی۔ جمیلہ کو اس مدرسہ سے یہ بڑا فائدہ پہنچا کہ دستکاری میں جس سے اسکو خاص مذاق تھا اس نے اچھی لیاقت پیدا کر لی۔ سلائی تو اس نے گھر ہی میں اتنی سیکھ لی تھی کہ اس کے تراشے ہوئے سوٹ (پوشاک) لکھنؤ کے بڑے بڑے فیشن ایبل (شوقین) جنٹلمینوں سے پسند کئے جاتے تھے اسکول میں اس نے ریشم اور اون کا کام سیکھا کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے تھے ایک دفعہ اس نے علیگڈھ کی کانفرنس کی نمائش میں ایک مخمل کے ٹکڑے پر ریشم سے مولانا حالی "چپ کی داد" کے چند اشعار ایسی کاریگری سے لکھکر بھیجے کہ وہاں اس کو سنہری تمغہ ملا۔ جمیلہ خاتون کے سیانے ہونے پر محمد جمیل کو فکر تھی کہ اسکا عقد کر کے حق پدری کے بار گراں سے ہلکا ہو جائے مگر حیران تھا کہ کہاں کرے کیوں کہ وہ یہ کبھی نہ چاہتا تھا کہ جمیلہ کو اپنا خاندان کو چھوڑ کر غیر کفو میں دے مگر یہ بھی اس کی دلی آرزو تھی کہ جمیلہ چاہے غریب گھر میں جائے مگر کسی جاہل یا آوارہ غیر مہذب شوہر کی بیوی نہ بنے اسی فکر میں وہ غلطاں و پیچاں رہتا کیونکہ جہاں تک وہ آنکھ پھیلا کر دیکھتا کنبے اور رشتے کی پود میں کسی کو اس قابل نہ پاتا کہ جمیلہ ایسی شائستہ اور تعلیم یافتہ لڑکی کا شوہر کہلائے۔ آخر اس کا تلاش کرنے والا خیال رفتہ رفتہ محمد حلیم تک پہنچا اور غور و خوض کے بعد اس نے دل میں طے کر لیا کہ اس سے بڑھ کر لڑکا میرے خاندان میں تو ہے نہیں اور اس نے حافظ محمد حلیم صاحب

کو ایک خط لکھا جس میں انھوں نے ظاہر کر دیا کہ وہ اپنی لڑکی کا عقد خلیل سے کرنا چاہتے ہیں بشرطیکہ خلیل رضامند ہو جائے۔ حافظ صاحب نے خلیل سے بلا کر دریافت کیا اور خود بھی رائے دی کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے خلیل کو خود اپنی خانہ آبادی کا خیال ہو گیا تھا۔ پھر جمیلہ خود اس کے گھرانے کی لڑکی تھی اس نے چند سال پہلے اُسے کبھی دیکھا تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت سے بھی خبردار تھا۔ اس نے فوراً حافظ صاحب سے کہدیا کہ آپ لکھدیجئے کہ مجھے منظور ہے مگر شرط یہ ڈالدیجئے کہ یہ بیاہ بالکل شرعی بیاہ ہوگا نہ تو میرے پاس روپیہ ہی اور نہ آپ سے لینا چاہتا ہوں۔ حافظ صاحب نے مفصل خط محمد خلیل کو لکھدیا۔ خلیل فوراً راضی ہو گیا۔ وہ تو خدا سے چاہتا تھا کہ نئے قرض کی آفت میں اُسے نہ پھنسنا پڑے محمد جمیل نے جمیلہ کی ہمجولیوں کی معرفت اس کا منشا دریافت کر لیا کہ آیا وہ محمد خلیل کو اپنی شوہریت میں قبول کرتی ہے۔ جمیلہ بھی خلیل کو بچپن سے جانتی تھی بارہا اس کو دیکھ چکی تھی۔ اس کی تعلیم سے بھی واقف تھی۔ عادات و اطوار اس سے چھپے نہ تھے۔ کیونکہ ایک گھرانہ ہونے سے یہ باتیں کب پوشیدہ رکھی جا سکتی تھیں وہ راضی ہو گئی اور باپ سے کہلا دیا کہ وہ ہر طرح مطمئن ہے۔ جمیل نے تاریخ مقرر کر دی اور خلیل کو بلا کر نکاح پڑھا دیا اور جمیلہ کو رخصت کر دیا۔ محمد جمیل چاہتا تھا کہ اپنی حیثیت کے موافق بیٹی کو کافی سامان جہیز میں دے مگر خلیل اس بات پر راضی نہ ہوا اور اس نے بجز چند جوڑے کپڑے دو ایک زیور کتابیں سینے کی مشین اور کچھ نہ لیا اور خسر سے کہدیا کہ یوں آپ کو اختیار ہوگا بیٹی کو جب جی چاہیں دیں مگر اس وقت جبکہ اصلاح رسم مقصود ہی جہیز کے نام سے کچھ لینا نہیں چاہتا جمیلہ کا بیاہ ہو گیا وہ کانپور چلی گئی وہاں خلیل اور جمیلہ نہایت راحت اور اور آسایش سے رہنے لگی۔

زندگی کا تیسرا دور

ماں باپ کے گھر میں بیٹی کو کیسی ہی تعلیم دیجائے کیسے ہی ہنر و سلیقہ سکھا

جائیں مگر جب تک سسرال میں جا کر اپنے انتظام کے جوہر نہ دکھائے ۔ اُس کے بھلے بُرے ہونے پر کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی ۔ جمیلہ خاتون میں وہ سارے اوصاف موجود تھے جو ایک قابل بیٹی اور لائق بہنوں میں ہونے چاہئیں مگر ایک وصف اسکا کچھ بڑھا ہوا تھا کہ جو عیب کی حد تک پہنچ گیا تھا اور اسی وجہ سے اُس کی اور خاوند کی اختلاف رائے ہو جاتی تھی ۔ جمیلہ خاتون میں فطرتاً فیشن اور تکلفات کا مادہ کچھ اس بہتات کے ساتھ تھا جو خلیل ایسے دور اندیش اور کفایت شعار خاوند کی برداشت سے باہر تھا ۔ جمیلہ خاتون چاہتی تھی کہ اس کا مکان صاف ستھرا سجا ہوا ہو نوکر چاکر بھی ہوں کھانا بھی اچھا کھایا جائے ۔ کپڑے بھی قیمتی پہنے جائیں میل جول بھی بڑے بڑے آدمیوں سے رہے کبھی خود جائے کبھی انکو بلائے ۔ خلیل کا کہنا تھا کہ تین خرچ کرو دو بچاؤ ۔ ساری زندگی میں کچھ تو گانٹھ مضبوط کر لو خدا جانے کیا موقع پیش آئے پاس پیسہ ہی تو سب کچھ ہے ورنہ پردیس میں مٹی پلید ہے اس اختلاف عادت کی وجہ سے میاں بیوی میں کبھی کبھی بحث چھڑ جاتی میاں کہتا دیکھو یہ زندگی کے اصول سے خلاف اور خطرناک ہے کہ روز کمایا روز کھایا کسی نہ کسی روز مصیبت کا سامنا ہے انسان تو انسان حیوان کو بھی آئندہ کی فکر ہوتی ہے ۔ دیکھو چیونٹیاں برسات سے پہلے ذخیرہ جمع کر لیتی ہیں کہ آئندہ آرام سے بسر کریں ۔ کتا بھی جب پیٹ سے زیادہ روٹی پاتا ہے تو زمین کھود کر گاڑ دیتا ہے تاکہ پھر بھوک لگے تو کام میں لا دے ۔ بیوی کہتی کہ زندگی دو روزہ ہے دل کی حسرتیں نکال لینی چاہئیں جس نے دیا ہے تن کو وہی دیگا کفن کو کل کی کسے خبر ہے جو آج کھا پہن لیں وہ اپنا ہے آخر یہ ہوا کہ جمیلہ کی عادت خلیل کی طبیعت پر غالب آگئی اور خلیل کو جمیلہ سا بننا پڑا ۔ اس نے مفلس رہنا اس سے بہتر سمجھا کہ بیوی سے رات دن چخ چخ چلتی رہے اور شب و روز کی تو تو میں میں سے اچھے بھلے گھر کو دوزخ کا نمونہ بنا لے اس نے کل گھر کا انتظام جمیلہ پر چھوڑ دیا اور جو کچھ وہ چاہتی کرتی ۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیل کی تنخواہ مشکل سے پچیس روز کفایت کرتی اور تنخواہ سے دو روز پہلے جمیلہ کہہ دیتی کہ آج

تو گھر میں کچھ نہیں ہو گیا ہے گا خلیل دل ہی دل میں کڑھتا اور کہتا کہ کاش اس پڑھی لکھی اور تمیز دار فیشن ایبل بیوی کے بدلے مجھے کوئی جاہل دیہاتی گنوار ملتی جس میں ذراسی دور اندیشی اور سمجھ بوجھ ہوتی تو بہتر تھا۔ مگر سوائے اس کے جب اپنی بیوی کے سہروں پر نگاہ ڈالتا تو خدا کا لاکھ شکر ادا کرتا اور کہتا کاش خداوند اس کا یہ عیب فضول خرچی بھی دور کر دے تو میرے برابر دنیا میں کوئی خوش قسمت نہ ہوگا۔

عرصہ تک یونہی کام چلتا رہا۔ ایک روز خلیل نے جمیلہ سے کہا لو تم کئی روز سے کہہ رہی تھیں کہ یہاں لاکر قید کر دیا ہے۔ نہ کہیں آنے کے نہ جانے کے اب خوش ہو جاؤ۔ حافظ جی کے یہاں سے بلوا آیا ہے پرسوں اُن کی بچی کا بیاہ ہے بڑی دھوم دھام ہوگی۔ دہلی سے بارات آوے گی۔ مہمان بھی بڑی دور دور سے آرہے ہیں جاؤ اور جلسہ دیکھو حافظ جی نے زبانی تاکید کر دی ہے کہ گھر میں سے کہا ہے کہ خلیل کی بیوی ابھی سے آ جا دیں تاکہ انتظام میں مجھے مدد دیں۔

جمیلہ۔ تو میں جاتی ہوں ضرور دیتی نہ جاؤنگی۔

خلیل۔ کیوں نہ جانے کی کون سی بات ہے حافظ صاحب برا نہ مانیں گے

جمیلہ۔ مانا کریں برا۔ تمہارے حاکم اور آقا ہوں گے میرے کیا۔

خلیل۔ حکومت کا ذکر ہے انسانیت کا سوال ہے آخر وہ اتنی خاطر سے بلاتے ہیں۔ نہ جاؤ گی تو نہ معلوم کیا خیال کریں گے۔

جمیلہ۔ سمجھ بھی ہو میں شریک شادی نہیں ہو سکتی۔

خلیل۔ آخر معلوم تو ہو کیوں نہ جاؤ گی۔

جمیلہ۔ اب تمہیں کیا معلوم نہیں ہے؟ جو مجھ سے پوچھتے ہو۔

خلیل۔ میں تو مطلق نہیں سمجھا کہ کیا بات ہے۔

جمیلہ۔ کیسے جاؤں کیا یوں ہی ننگی بوچی چلی جاؤں تمہاری کیا ناک رہ جائیگی

خلیل۔ کیوں ننگی بوچی کیوں جاؤ کپڑے سے تو صندوق بھرا پڑا ہے معمولی زیور بھی ہے پھر اب کیا سامان درکار ہے۔

جمیلہ۔ خوب کپڑے اور زیور اس لائق ہیں کہ خان صاحب کی لڑکی کی شادی میں پہنکر جاؤں۔

خلیل۔ خوب آپ نے کہاں تعلیم پائی ہے کیا شرم اور عزت کے معنی آپ کی لغت میں یہی ہیں۔ بھلا زیوروں کا اور بنانا کیا جوڑ۔ خدا کی مخلوق سب قسم کی ہے کوئی غریب ہے کوئی امیر اس میں ذلت اور رسوائی کی کیا بات ہے۔

جمیلہ۔ جی ہاں آپ کو کیا خبر ہے عورتوں کا معاملہ۔ جہاں کسی کو دیکھا وہیں اس کے زیور اور لباس پر نظر دوڑانے لگتی ہیں اور باتوں باتوں میں اس کا وہ ٹھٹھا اڑاتی ہیں کہ دیکھو تو دیکھتے ہی رہ جاؤ۔

خلیل۔ تم کن عورتوں کا ذکر کر رہی ہو۔ ایسی بری عادتوں کی عورتیں اب درگور ہوتی جاتی ہیں۔ اب عورتوں میں یہ بحث چھڑ رہی ہے کہ زیور کا استعمال ترک کیا جائے۔ تم نے رسالہ پردہ نشین میں جو آگرہ سے نکلتا ہے زیور کے مضامین پڑھے ہوں گے۔ مہینوں اس پر بحث رہی آخر یہ ٹھہری کہ زیور کا شوق کم کرنا چاہیے۔

جمیلہ۔ ہاں صاحب میں نے خوب پڑھا ہے یہ کاغذی باتیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی ایڈیٹر صاحبہ کو جاکر دیکھے جو بڑے زور شور سے مضامین زیور کے برخلاف لکھا کرتی ہیں وہ بھی زیور کی تمنا میں بیقرار رہیں گی۔ ہندوستانی تو غریب ناحق بدنام ہیں میں دیکھتی ہوں کہ فرنگنیں بھی اب تو لادنے لگی ہیں۔

خلیل۔ خیر بحث کا موقع نہیں ہے شادی میں جانا ضروری ہے کسی طرح جاؤ ورنہ مجھے شرمندہ ہونا پڑیگا۔

جمیلہ۔ میں تو صاف کہتی ہوں کہ اگر تم کو بھیجنا منظور ہے تو میرے لئے ایک بنارسی دوپٹہ اور ایک جڑاؤ زیور کہیں سے لادو ورنہ میرا جانا کسی طرح نہ ہوگا۔

خلیل۔ لادوں یعنی مانگ کر۔ توبہ توبہ یہ کلام بھلا میری عادت کے خلاف مجھ سے کب ہوگا۔ مانگ کر زیور پہننے سے اس کا رہنا بہتر ہے۔

جمیلہ۔ اس میں عیب کی کونسی بات ہے ایک دوسرے سے چیز مانگ ہی لیتے ہیں اور اگر تمہیں مجھ کو بھیجنا منظور ہے تو جاؤ جلدی کرو تاکہ [illegible]

کروں۔
خلیل۔ میں نے آجتک کسی سے کوئی چیز نہیں مانگی ہے کچھ طبیعت بھی ایسی واقع ہوئی ہے کہ مانگنا اور موت میرے لئے برابر ہے پھر زیور کا مانگنا اور بھی ستم ہے خیر سنگ آمد و سخت آمد کا مضمون ہے کچھ کروں گا اور تو کون ہے جس سے کہوں مسٹر واٹرفیلڈ ایک انگریز جوہری ہیں میں نے سنا ہے کہ وہ کاغذ لکھوا کر اپنا زیور کرایہ پر دیتے ہیں اُن سے کہوں گا بشرطیکہ وہ میرا اعتبار بھی کر لیں۔

جمیلہ۔ ہاں ہاں یہ سب سے اچھا ہے۔ جاؤ مگر ایک آرسی اور کنگن ضرور لانا چاہیئے اور کچھ نہ ہو۔

میاں خلیل بادل ناخواستہ وہاں سے اُٹھے اور سیدھے مسٹر واٹرفیلڈ کے مکان پر پہنچے۔ اُن سے خلیل سے حافظ صاحب کے یہاں ملاقات ہوگئی تھی اور بار بار ملنے سے یہ ملاقات دوستانہ کی حد تک پہنچ گئی تھی مسٹر واٹرفیلڈ سے خلیل نہایت تپاک سے ملے اور باتیں شروع ہوئیں۔

واٹرفیلڈ۔ مسٹر خلیل آج کیسے بے وقت تکلیف کی۔

خلیل۔ ایک کام سے حاضر ہوا ہوں میں نے سنا ہے کہ آپ اپنا کچھ زیور کرایہ پر بھی چلاتے ہیں۔ مجھے بھی آج ضرورت ہے۔

واٹرفیلڈ (مسکرا کر) اوہو! یہ شوق آپ کو بھی ہے؟ میں سمجھتا تھا کہ آپ کی بیگم صاحبہ نے انگلش سکول میں تعلیم پائی ہے شاید اُن کی ہندوستانی عادتیں بدل گئی ہونگی۔ مگر آپ کی آمدنی تو ساٹھ روپیہ ماہوار کی ہے۔ آپ کچھ زیور خرید ہی کیوں نہیں لیتے۔

خلیل۔ عزیز دوست تم کیسی باتیں کرتے ہو تم سے کیا حال پوشیدہ ہے مشکل سے روزمرہ کے خرچ کا پورا پڑتا ہے زیور کہاں سے خرید لیا جائے

واٹرفیلڈ۔ فضول خرچ دوست اگر ابھی حافظ جی سے کہکر آپ کی تنخواہ پچاس سے بیس روپیہ کرادی جائے تو پھر کیسے گذر ہو۔

خلیل۔ ہاں آپ سے یہی امید ہے دوستانہ کا حق یونہی تو ادا کرو گے اور میرے سوال کا جواب دو مجھے دیر ہو رہی ہے

واٹر فیلڈ۔ جی ہاں زیور یہیں حاضر ہے آپ کے کیا درکار ہے۔ جوہری صاحب نے ایک خوبصورت صندوقچہ کھول کر خلیل کے سامنے رکھدیا۔ خلیل نے بیوی کے کہنے کے مطابق ایک جگمگاتی ہوئی آرسی جڑاؤ اور ایک جڑاؤ کنگن کی جوڑی اُٹھالی اور کہا بس یہ دونوں زیور کافی ہوں گے۔

واٹر فیلڈ۔ زیور تو دونوں آپ نے ایسے منتخب کئے ہیں کہ جو میرا اس صندوقچہ کی جان ہیں ان کو پہن کر جہاں میرے دوست کی شوقین بیوی بیٹھے گی بس وہی دکھائی دیگی۔ (آرسی کو ہاتھ میں لیکر) یہ آرسی پورے پندرہ سو کی ہے۔ درمیان میں اس کے ہیرا ہے آس پاس زمرد اور یاقوت کی اَنیاں جڑی ہوئی ہیں۔ کنگن کی قیمت صرف ایکہزار ہے۔ کل مال اس وقت آپکے قبضہ میں ڈھائی ہزار کا ہے۔ خدا کے لئے ذرا سنبھال کر رکھنا۔

خلیل۔ میں آپ کا مشکور ہوں بہت حفاظت سے رکھا جائیگا۔ اطمینان رکھئے پرسوں شام کو واپس لاکر دیدونگا۔

واٹر فیلڈ۔ اچھا لیجئے (بہی سامنے رکھکر) اس کتاب پر ان دونوں چیزوں کے دستخط کر دیجئے۔ دو روز کا کرایہ پانچ روپے ہوں گے اگر چیزیں خراب ہو گئی تو ہرجانا الگ ہوگا۔ میں صاف عرض کئے دیتا ہوں تاکہ دوستانہ میں فرق نہ آئے۔

خلیل (دستخط کرتے ہوئے) خدا نہ کرے۔ میں آپکی مہربانیوں کا بیحد زیر بار ہوں۔ خلیل زیور رومال میں لپیٹ کر چلدیا اور جوہری نے تبسم آمیز لہجہ میں کہا دیکھو ہوشیار یہ جواہرات ہیں۔

خلیل نے آرسی اور کنگن جمیلہ کے سامنے لا دھرے وہ دیکھکر خوش ہو گئی اور جواہرات کے رعب میں آکر وہ بنارسی دوپٹہ کا سوال بھی بھول گئی اور تیاریاں شروع کر دیں غسل ہوا جوڑا بدلا گیا۔ ایک ٹرنک میں دو جوڑے اور رکھے گئے۔ زیور پہنا اور سواری کا رستہ دیکھنے لگی۔ مغرب کے وقت حافظ صاحب کا آدمی پردہ دار بگھی لیکر آموجود ہوا۔ جمیلہ اس میں بیٹھکر روانہ ہو گئی اور اپنے دونوں نوکر ایک لڑکا اور ایک بڑھیا ساتھ لے لئے۔

زندگی کا چوتھا دور

جمیلہ خاتون حافظ محمد حلیم صاحب کے مکان پر پہنچی۔ بڑے تپاک سے اُتاری گئیں اور خاطر تواضع کی گئی۔ مہمانوں سے گھر بھرا ہوا تھا۔ سارا دن چہل پہل میں گذرا۔ حافظ صاحب کی بیوی نے جمیلہ کا اور مہمان بیگمات سے تعارف کرایا۔ جمیلہ کے کنگن اور آرسی پر ہر ایک کی نظر پڑتی تھی کیونکہ اس کے جگمگاتے ہوئے جواہرات دیکھنے والوں کی نظروں میں چکا چوند پیدا کرتے تھے۔ اکثروں نے سوال کیا کہ یہ آرسی کہاں سے منگوائی تھی۔ سننے میں آئی تھی۔ جمیلہ جھوٹ کو سچ بنانے کی کوشش کرتی ہوئی جھینپتی اور لجاتی ہوئی آواز میں جواب دیتی کہ پندرہ سو میں یہاں کے انگریز جوہری سے لی تھی کیونکہ یہ قیمت خلیل سے اس نے سن رکھی تھی۔ ورنہ خدا جانے کیا بتاتی یہی حال کنگنوں کا ہوا کہ پوچھنے والیوں کو جواب دیتے دیتے جمیلہ کا دم ناک میں آگیا اور جھوٹ بولتے بولتے اور ضمیر کی ملامت سنتے ہوئے کھسیانی سی ہوگئی اور دل میں کہنے لگی نوج کوئی مانگے کا زیور پہن کر کسی کے گھر آئے یہ دن تو سارا یوں ہی گذرا۔ رات کو برات کی دھوم شادی کی تیاریوں میں کل عورتوں کو مصروف کر دیا۔ اور گھر بار آنگن کوٹھا سارا عورتوں سے بھر گیا رونے تک ہی دھوم دھڑکا رہا جو عموماً ہندوستانیوں کی شادی میں ہوا کرتا ہے۔ لبعد میں سب تھک کر پڑ پڑ کر ایسی سوئیں کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی صبح ہوتے ہی مسٹر خلیل گاڑی لیکر بیوی کے لینے کو آموجود ہوئے۔ باہر حافظ صاحب اور مسٹر واٹر فیلڈ جوہری کھڑے باتیں کر رہے تھے خلیل کی طرف دیکھکر دونوں مسکرا دیئے اور حافظ صاحب نے کہا کہ آپ بڑی جلدی کی کیا آج پھر نیند نہیں آئی تھی۔ لڑکی کو رخصت تو ہو جانے دو۔ خلیل نے شرما کر جواب دیا اگر ایسا ہے تو پھر بعید و نگافی الحال تو جانے دیجیئے۔ اندر اطلاع ہوئی اور جمیلہ جلدی جلدی بستر پر سے اُٹھکر حافظ صاحب کی بیوی اور دوسری بیگمات سے جن سے رات میں ملاقات ہوگئی تھی رخصت ہوکر سوار

ہوگئیں اور اپنے گھر آگئیں۔

گاڑی سے اُتر کر اندر آئیں۔ ملازمہ نے بستر پاندان لا کر کہا۔ گاڑی والے کو کرایہ دیا اور وہ چل دیا۔ دس منٹ کے بعد خادمہ کی نگاہ جمیلہ کے انگوٹھے پر پڑی اور وہ چونک کر بولی۔ بیوی آرسی کہاں ہے۔ جمیلہ کا دل دھک سے ہو گیا۔ اور وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ جلدی جلدی پاندان دیکھا کھڑے ہو کر اپنے سارے کپڑے جھاڑے۔ گھبراہٹ میں اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو بار بار ٹٹولتی کہ کہیں نگاہ تو خطا نہیں کرتی جب ہر طرح مایوسی ہو گئی تو خلیل کو بلایا اور کہا کہ خدا کے لئے گاڑی تو جا کر دیکھو کہیں اس میں نہ گری ہو۔

خلیل کے ہوش اور بھی اُڑ گئے۔ فکر اور پریشانی، سارے دماغ اور جسم کو سن کر گئی۔ گھبرایا ہوا وہاں سے بھاگا۔ گاڑی والے کو تلاش کرتا پھرا ہونٹوں پر پپڑیاں پڑ گئیں۔ پیروں میں آبلے ہو گئے۔ خدا خدا کر کے گاڑی والے کو جا پکڑا۔ اس کی گاڑی دیکھی بھالی۔ اس سے پوچھا کچھ پتہ نہ لگا مایوس ہو کر واپس آیا۔ اتنے تک تو جمیلہ کو آس تھی کہ آرسی شاید گاڑی میں پڑی ملیگی۔ لیکن خلیل کے واپس ہونے پر نا امیدی نے اس کے منہ پر ہوائیاں اُڑا دیں۔ خلیل کو حافظ صاحب کے مکان پر دوڑایا کہ وہاں تلاش کرواؤ۔ وہیں کہیں پڑی ہوگی۔

خلیل۔ آخر معلوم تو ہو کہ آرسی کا ہونا تم کو کب تک یاد ہے تاکہ وہیں تلاش کی جائے۔

جمیلہ۔ رات تک تو تھی دس بجے تک تو ساری کی ساری اس پر جھکی پڑی تھیں آخر سب کی نظریں اسے کھا رہی ہیں۔ پھر مجھے خبر نہیں جو کسی نے سوتے میں اُتار لی ہو۔

خلیل۔ ہاں تو یوں کہو کہ کل دس بجے سے پھر آپ کو اس کی خبر نہیں۔

جمیلہ۔ اب کبھی اعتراض پیچھے کر لینا جلدی جاؤ۔

خلیل سٹپٹاتا ہوا گیا اور حافظ صاحب کو سب ماجرا کہہ سنایا۔ حافظ صاحب پہلے تو مسکرا دیئے پھر اندر گئے اور واپس آکر کہہ دیا کہ وہاں تو

کچھ پتہ نہیں ہے اور نہ موقعہ ہے کہ کسی سے زور دیکر پوچھا جائے۔ ورنہ اگلی عورتیں بگڑ بیٹھیں گی کہ ہمکو چور بناتے ہیں پس بھائی صبر کرو اور بیٹھ رہو۔

کیونکہ اُن کے مختصر جملے سے ظاہر ہوتا تھا کہ انہوں نے خلیل کی اس مصیبت کی کچھ ایسی پرواہ نہیں کی اور اسی وجہ سے گمشدہ آرسی کی تلاش سرگرمی سے نہیں کی تھی مگر کیا کر سکتا تھا اپنا سا منہ لے کر لوٹ آیا اور بیوی کو صاف جواب دیدیا کہ آرسی کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ رہی سہی آرسی کے مل جانے کی موہوم امید کا خاتمہ ہو گیا اور میاں بیوی دونوں سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور اُن کی آیندہ زندگی کی بھیانک تصویر سامنے آگئی۔ وہ سوچتے تھے کہ یہاں یہ حال ہے کہ مہینہ بھر کی آمدنی پچیس دن میں ختم ہو جاتی ہے یہ پندرہ سو روپے کہاں سے دئیے جائیں گے۔ کئی منٹ مسلسل خاموشی کے بعد دونوں میں گفتگو شروع ہوئی۔

یہ کیا غضب ہوا کس پر آگ لگی جس نے مجھ پر یہ آفت ڈھائی۔ اللہ مجھے میں تو کیا کہوں وہ تو مجھے پہلے ہی ڈر تھا کہ سب کی سب ندیدوں کی طرح سے مجھ پر گری پڑتی تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ کیا قیمت ہے کوئی پوچھتی تھی کہاں سے بنوائی ہے۔ آخر کسی نامراد کی نظر کھا کر رہی۔

خلیل۔ عورتوں کی سی باتوں کو بند کرو۔ گالی کوسنوں سے کام نہ چلیگا۔ اب تو یہ سوچو کہ کیا کرنا چاہیے۔

جمیلہ۔ اب میں کیا بتاؤں جوہری کے پاس جا کر پوچھو تو سہی کہ اس کی اصلی قیمت کیا ہے اور یہ اُن کے کنگن سنبھال کر دے آؤ۔ ہماری تقدیر ہم سے برگشتہ ہے ہاتھ کو ہاتھ کھائے جاتا ہے۔

خلیل۔ قیمت تو وہ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہنا کیسا لکھوا لیا ہے۔ پندرہ سو روپیہ دینا پڑے گا۔ دیکھو جاتا ہوں کیونکہ گذرتی ہے کیسے آنکھیں سامنے ہوں گی ع

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر

خلیل کنگن لیکر سیدھا مسٹر واٹر فیلڈ کی دکان پر پہنچا جس نے خلیل کو دیکھتے ہی کہا کہ نواب صاحب آرسی کیا سچ مچ گم ہو گیا۔

خلیل۔ جی ہاں ہماری تقدیر پھوٹ گئی۔

چودھری۔ تقدیر غریب پر کیوں الزام ہے یہ کہو ہمارا عقل مارا گیا جو بیوی کے کہنے
میں آ گیا ہم تم سے پہلے بولا تھا کہ ہوشیاری رکھنا پہلے تو زیور مانگ کر پہننا کون
سی عقل کی بات ہے خلیل تم ہمارا پرانا دوست ہے مگر ہمکو تمپر بڑا افسوس ہے کہ تم عقلمند
آدمی ہو کر ایسی بیوی کے حکم پر چلتا ہے جس کو اپنے آگے پیچھے کا ذرا غم نہیں ہے اب
تم بتلاؤ کہ فیصلہ کیونکر ہو۔ پندرہ سو روپیہ کی بات ہے دو چار روپیہ کا معاملہ نہیں کہ
ہم چھوڑ دیں۔ اب میں تمہارے ساتھ دوستی کا حق صرف اتنا نباہ سکتا ہوں
کہ بجائے تم پر ڈگری کرانے اور تمہارا مکان نیلام کرانے کے تم سے قسط پر روپیہ
لیتا رہوں گا مگر شرط یہ ہے کہ پچاس روپیہ ماہوار بابا لال حافظ صاحب سے لیتا رہوں اور
تم دس روپیہ ماہوار میں جو تم کو لکھنؤ سے مکان کے کرایہ کے ملتے ہیں گذر کر سکو تو کہو
جاؤ مسٹر خلیل سے پوچھ کر آؤ ورنہ میں نالش کی فکر کروں صاف بات یہ ہے باتیں بنانا فضول ہے
آج مسٹر واٹر فیلڈ نے کچھ ایسی اکھڑی اکھڑی باتیں کیں کہ خلیل کی ہمت
ایک لفظ کہنے کی نہ پڑی اور دل میں سوچ لیا کہ جب قسمت بگڑتی ہے تو اسی طرح
دوست آشنا بھی آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ ورنہ واٹر فیلڈ کو اپنا دلسوز اور خیر خواہ دوست
جانتا تھا۔ خلیل لوٹ کر مکان پر آیا اور نہایت افسردہ اور غمگین صورت سے
بیوی کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور سب ماجرا سنایا۔ خلیل کی بیوی جمیلہ ویسے صاحب
عقل تھی بالکل تھی۔ خاندانی تھی خاوند کی سچی ہمدرد اور غمگسار دوست تھی۔ خدانخواستہ
کوئی عیب نہ تھا صرف نمائش اور امارت کے شوق میں اس سے ایسے فعل سرزد
ہو جاتے تھے کہ خاوند کی طبیعت کو ناگوار ہوتا تھا اگرچہ اس نے اس کے چھپانے
کی کوشش کی اور تا بمقدور اس کی خواہشوں کو پورا کرتے رہے

لوگ کہتے ہیں کہ انسان اپنی عادت سے مجبور ہے اور وہ اسکو کسی طرح بدل
نہیں سکتا لیکن واقعات اس کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔ صدہا آدمیوں
کو دیکھا گیا ہے کہ ان پر بعض وقت ذرا سی بات کا ایسا اثر ہو گیا کہ انہوں نے
اپنی پرانی عادتوں کو یک لخت چھوڑ دیا۔ جمیلہ پر بھی اس وقت کی خاوند کی پریشانی
اور بے بسی نے خاص اثر پیدا کیا اور اس کی ہمدردی کا دریا جوش میں آ گیا۔
اور اس نے یکایک اپنے سارے خیالات دماغ سے نکال پھینکے گویا ماں کے

پیٹ سے آج ہی پیدا ہوئی ہے۔ اس نے خلیل کو مخاطب کر کے کہا "میں دیکھتی ہوں کہ تم بہت متفکر ہوئے جاتے ہو"

خلیل۔ اس سے زیادہ اور کیا فکر کا موقع ہوگا تمہیں تعجب ہے۔

جمیلہ۔ نہیں نہیں پریشانی کی کوئی وجہ نہیں انسان پر دنیا کی سرد گرم ہوا ہمیشہ سے پڑتی آئی ہے۔ مرد ہو کر اتنی جلد ہمت ہارے دیتے ہو۔ گو میں جانتی ہوں کہ تمہارے تردّدات اور پریشانیوں کی بلانیوالی میں ہوں مگر خیر جو ہوا سو ہوا اب میں آپ کو خوشخبری دیتی ہوں کہ اللہ نے مجھ پر اور آپ پر اپنی قدرت کا کرشمہ جو گمراہوں کو راستہ پر لانیوالا ہے دکھلا دیا۔ میں آپ سے اپنے قصوروں کی معافی مانگتی ہوں اور آپ کے معاف کرنے پر میرا خدا بھی معاف کر دیگا اور آئندہ وعدہ کرتی ہوں کہ آپکے خلاف مرضی میں ایک قدم بھی نہ اٹھاؤنگی ایک ہی یہ بات کہ موجودہ مصیبت کا کیسے خاتمہ ہو اس کا آپ ذرا غم نہ کریں میں اتنا ذمہ لیتی ہوں کہ آپ کو ذرا تکلیف نہ ہونے دونگی۔ آپ تھوڑے سے حافظ صاحب سے کہہ دیجئے کہ میری تنخواہ وارڈ فیلڈ صاحب کو اس وقت تک دیتے رہیں جبتک قرض ادا نہ ہو جائے اب آپ سوال کریں گے گذر کہاں سے ہوگی اسکا جواب یہ ہے کہ اس گھاٹے کو پورا کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو خرچ گھٹا دیا جائے دوسرے کچھ نئی آمدنی پیدا کی جائے۔ اس کی بابت میں نے طے کر لیا ہے کہ میں نوکروں کو جواب دیئے دیتی ہوں۔ دس روپے ماہوار کی بچت ہوگی گھر کا کام اپنے ہاتھوں کر لونگی باہر کا کام آپ کر لینا جب تک قرض ادا نہ ہوگا میرا آنا جانا ملنا ملانا خاطر تواضع صحبت و ملاقات سب بند رہیگی۔ کے حصّے سے لکھنؤ کے مکان کا کرایہ تیس روپے آتے ہیں اور آپ بھی محنت کر کے ایک روپیہ روز بھی پیدا کر سکتے ہو لیا آپ پڑوس کے ٹھیکیدار سے کہیں کہ ایک سوٹ مجھے روز دیا کریں میں تیار کر کے اُن کو شام کو دیدیا کرونگی۔ اگر وہ راضی نہ ہوں تو مجھے پروا نہیں مجھے کئی کام آتے ہیں آخر وہ کس دن کے لئے سیکھے ہیں اگر ایک ٹوپی سیئے گی کام کی بنا لونگی تو میرا ایک روپیہ [illegible] ہو گیا بس ہماری گذر کیلئے یہ آمدنی بالکل کافی ہے اگر ضرورت

ہوئی تو میں اپنے اخراجات میں اور بھی کمی کردوں گی تاکہ اس میں سے بھی کچھ بچا سکیں۔ اس حساب سے دو ڈھائی سال میں ہم بالکل بیباق ہو جائیں گے۔ بس اتنی سی بات کے لئے اچھی بھلی جان کو گھلانا بالکل ناحق ہے۔ اب فرمائیے آپکو اطمینان ہوا۔ بیوی کی یہ نئی قسم یا یوں کہو پہلے پہل کی باتیں خلیل پر بجلی کا اثر کر گئیں اور اس نے جمیلہ کی ایک دم کایا پلٹ ہو جانے پر خدا کا شکر ادا کیا اور مسکرا کر بول اٹھا۔

"آہا اگر تم میری ہمدرد ہو تو میں دنیا کی مصیبت کو مصیبت خیال نہیں کر سکتا"

جمیلہ۔ ہاں ہاں صاحب کہہ تو رہی ہوں کہ خدا میں سب قدرت ہے اس نے مجھے بالکل بدل دیا اور میں تمہاری خاطر اور تمہاری جان کی خاطر چکی پیسنے اور پہاڑ کھودنے کو تیار ہوں۔ صرف کہتی نہیں ہوں بلکہ کل سے کر کے دکھاؤں گی اب تم جاؤ اور چوہدری صاحب اور حافظ صاحب سے کہہ دو تاکہ انہیں اطمینان ہو جائے۔

خلیل نے جا کر یہ سب قصہ اپنے دوست ڈاکٹر فیلڈ سے کہہ دیا اس نے بڑا تعجب ظاہر کیا اور خوش ہو گیا۔ حافظ صاحب نے منظور کر لیا کہ خلیل کی تنخواہ ڈاکٹر فیلڈ صاحب کو دیتے رہیں گے اور جمیلہ نے جو کہا تھا وہ کرنا شروع کر دیا۔ نوکروں کو جواب دیدیا گیا اور وہ جمیلہ جو بجز نگرانی کے پکانے ریندھنے کو ہاتھ نہ لگاتی تھی خود جھاڑو دینے اور برتن صاف کرنے اور روٹی پکانے لگی۔

صبح سے دس بجے تک ان دھندوں میں لگی رہتی تھی۔ خاوند کو کھانا کھلا کر دفتر بھیج دیتی اور مشین لیکر بیٹھ جاتی تو چار بجے تک جگہ سے نہ ہلتی اور پھر اسے ہٹا اتار کر رکھ دیتی اور پھر ہانڈی چولھے میں لگ جاتی۔ خلیل کے آنے تک کھانا تیار ہو جاتا۔ کھانے سے فارغ ہو کر نماز عشاء پڑھ کر تھک کر پڑ رہتی۔ سارے کپڑوں میں سیتی اگر کسی دوست ملاقاتن کے یہاں سے بلاوا آتا تو ٹال دیتی کہ میں علیل ہوں اس وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتی۔ جمیلہ نے کوئی تین سال کے قریب اسی طرح تنگ حال سے کاٹ دیئے اور اس عرصہ میں اس نے اپنا سارا قرض ادا کر دیا بلکہ بڑا نفع یہ ہوا کہ وہ محنت اور کفایت شعار کی

کی خوگر ہوگئی۔

زندگی کا پانچواں دور

ایک روز مہینے کے شروع پر حافظ صاحب نے مسٹر خلیل کو بلوایا اور کہا کہ تمہارا قرض سب ادا ہوگیا۔ مبارک ہو۔ اب تم اپنی تنخواہ گھر لیجاؤ۔ مسٹر واٹر فیلڈ جوہری بھی موجود تھے۔ ہنسکر بولے لو مسٹر خلیل تم آج اس خوشی میں ہماری اور حافظ صاحب کی دعوت کرو۔ خلیل نے کہا نہایت خوشی سے جب آپ فرمائیں بندہ حاضر ہے۔ حافظ صاحب بھی بول اُٹھے بیشک ہم بھی چاہتے ہیں کہ کسی روز مسٹر خلیل کے گھر چلکر دعوت کھائیں۔ خلیل نے جاکر یہ ماجرا اپنی بیوی سے کہا اس نے کہا بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارے محسن ہمارے گھر آکر ہماری عزت افزائی فرمائیں۔ تم ضرور جاکر اُن کو کل شام کے لئے مدعو کر دو۔ میں سب سامان تیار کرلوں گی۔ مسٹر واٹر فیلڈ ہندوستانی کھانوں کے خود شائق ہیں۔ پھر اس میں وقت ہی کیا ہے۔ دعوت کا سب سامان ہوگیا۔ جمیلہ نے قسم قسم کے کھانے تیار کئے اور حافظ صاحب اور واٹر فیلڈ آکر شریک طعام ہوئے۔ دونوں صاحبوں نے کھانے کی بڑی تعریف کی اور کھانے سے فارغ ہوکر مسٹر واٹر فیلڈ اور خلیل سے گفتگو شروع ہوئی۔

واٹر فیلڈ۔ کہو مسٹر خلیل آج تم قرض ایسی بلا سے چھوٹ گئے۔

خلیل۔ ہاں صاحب خدا کا شکر ہے اور آپ کا احسان ہے۔

واٹر فیلڈ۔ ہمارا احسان کیا ہے ہم نے تو بہت سُود وصول کیا۔

خلیل۔ نہیں صاحب یہ آپ کی عنایت ہے کہ آپ نے نرمی سے کام لیا۔

واٹر فیلڈ۔ اب بولو کوئی زیور اور لینا چاہتے ہو بیوی سے پوچھ لو۔

خلیل۔ جی نہیں۔ معاف کیجئے ہم نے زیور ہی بیچے۔

واٹر فیلڈ۔ اوہو ایسی توبہ! اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے گذر کیسے کیا۔

خلیل۔ اچھی طرح روپیہ روز سلائی میں آجاتا تھا جو بالکل کافی تھا۔

واٹر فیلڈ۔ اچھا تو اب تمہاری بیوی ایسی کفایت شعار ہوگئی۔

خلیل۔ جی ہاں ہر وقت صرف کرالیتی ہے نوکر جاکر سب خود خرید لیتی ہے

سارا کام ہاتھوں سے کرتی ہیں۔

واٹر فیلڈ۔ اچھا تو یوں کہئے کہ آپ کی بیوی اب وہ نہیں رہیں جو پہلے تھیں۔

خلیل۔ توبہ کیجئے وہ زمانہ منزلوں دور گیا انہوں نے اس وقت میں مجھے ایسی مدد دی ہے جس کی امید مجھے ہرگز نہ تھی۔

واٹر فیلڈ۔ جیب سے تین نوٹ پان پانسو کے نکال کر۔ اچھا تو ہم اس خوشی میں آج اپنی بھاوج یعنی تمہاری بیگم صاحبہ کو پندرہ سو روپیہ نقد انعام دیتے ہیں۔

خلیل (تعجب سے) یہ انعام کیسا۔ آپ کی عنایت کافی ہے میں اس قابل کہاں کہ اتنا بڑا انعام حاصل کر سکوں۔

واٹر فیلڈ۔ مسٹر خلیل تعجب مت کرو۔ لو میں یہ راز تین سال کے بعد کھولتا ہوں امید ہے کہ تم میری گستاخی کو معاف کرو گے کیونکہ وہ کسی بدنیتی سے نہ تھی۔ لو سنو یہ سارا روپیہ دراصل تمہارا ہے وہ آرسی جو تمہاری بیوی سے گم ہو گئی تھی وہ اصل میں کھوئی نہیں گئی بلکہ ہمارے پاس آ گئی تھی۔ آکیا گئی ہم نے چروا لی تھی۔ اب کہو کیوں اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تم سے دوستانہ رکھتے تھے ہم تم کو اپنا سچا دوست مانتے تھے۔ ہمیں معلوم ہوا تھا کہ تمہاری بیوی ایک فضول خرچ اور امیرانہ طبیعت کی عورت ہے۔ اس وجہ سے تمہارا آمد خرچ برابر نہ تھا بلکہ تم قرض کی طرف بڑھتے تھے۔ ہمیں یہ ناگوار گذرتا۔ ہم کو معلوم تھا کہ جس شخص کی زندگی ایسی ہے کہ آمدنی سے کچھ پس انداز نہ ہو وہ جلد کسی خاص مصیبت کا شکار ہونے والا ہے۔ پس ہم کو حق دوستی ادا کرنا تھا۔ تب سے ہی ہم نے یہ چرایا جو تم نے کیا۔ حافظ صاحب کے مشورہ سے سب کام ہوئے کیونکہ حافظ صاحب بھی چاہتے تھے کہ تمہاری حالت بہتر ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا سوچا ہوا کام راست آیا اور تمہاری مشکل آسان ہو گئی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ یہ پندرہ سو روپیہ حافظ صاحب تمہاری طرف سے اپنے کارخانہ میں ڈال دیں تاکہ منافع بڑھتا ہے اور چند روز میں تم کو معلوم ہو جائے کہ ترقی دولت کے لئے کیسی قابل قدر چیز تجارت ہے۔

خلیل (خوشی سے) میں آپ دونوں صاحبوں کا دل سے شکر ادا

کرتا ہوں اور یہ احسان آپ کا ہم کبھی کبھی نہ بھولیں گے کہ راستہ بھٹکتے ہوؤں کو کیونکر راہ پر لگایا۔ آپ کو اب میں آپ کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہماری پچھلی عادتیں گئی گذری ہوئیں اور ہم کفایت شعاری کی قدر خوب جان گئے۔

حافظ صاحب اور مسٹر واٹر فیلڈ ہنستے ہوئے رخصت ہوئے۔

جمیلہ خاتون یہ حال سُنکر بیحد خوش ہوئی اور جوہری صاحب کی ہمیاری کا شکریہ ادا کیا۔ چند عرصہ میں خلیل کے پاس کئی ہزار روپے کی پونجی ہوگئی۔ اور اُس نے حافظ صاحب کے مشورہ سے بوتلوں کا ایک بڑا کارخانہ علیحدہ کھول لیا اور کانپور کے ایک مشہور تاجروں میں ہوگیا۔ اور اس کی خوب عیش سے گذرنے لگی۔

آخری بات

ہزار بات کی ایک بات

عفت وعصمت کی حفاظت

اگر ایک عورت میں دنیا کی ساری خوبیاں جمع ہو جائیں لیکن یہ خوبی نہ ہو جس کی سرخی اس مضمون کا عنوان ہے تو سب بیکار ہے عشق ومحبت تو ایک طرف دنیا بھی خراب اور دین بھی خراب دنیا میں جان کا رہنا دشوار اور رہی تو ہمیشہ کیلئے ذلیل وخوار مرنے کے بعد جہنم ٹھکانا۔ دوزخ گھر نیک عورتیں اس انمول جوہر کی حفاظت کے لئے جان پر کھیل جاتی ہیں اور جب کسی بے بسی میں گھر جاتی ہیں تو جان کو قربان کر دیتی ہیں۔ خدا نکرے کوئی بیوی اس سے غافل ہو۔

دانشمند سے را اشارہ کافی است

میری تائید

میں نے بہو بیٹیوں کو پورے ایک باب میں سمجھایا ہے کہ اپنے شوہر کی توجہ جذب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عورتیں اپنے حسن ظاہری سے غافل نہ ہوں اور اس کے لئے تدابیر بھی بتلائی ہیں۔ مجھے ایک ماہوار رسالہ دیکھنے کا اتفاق ہوا جس میں "ہم خوبصورت کیونکر بن سکتے ہیں" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا گیا ہے۔ میں نے اس کا مختصر مضمون کو اپنی اس کتاب میں جگہ دیدی ہے تاکہ میرے کتاب کی پڑھنے والیاں جان جائیں کہ جو باتیں میں کہتا ہوں وہ دوسرے مہذب ملک کے لوگ بھی وہی کہتے ہیں (خاموش)

ہم خوبصورت کیونکر بن سکتے ہیں

حسن و جمال اگرچہ قدرت کا عطیہ ہے لیکن انسان بھی اگر چاہے تو حسین نہ ہونے کے باوجود اپنے اندر حسن و جمال کی جھلک پیدا کر سکتا ہے۔ حسین و جمیل بننے کے لئے عملی تدابیر پر گذشتہ زمانہ میں اسپارٹا کے باشندے عمل کیا کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں ان سے زیادہ خوبصورت کوئی دوسری قوم نہ تھی۔ اسپارٹا کے لوگوں کا خیال تھا کہ صرف اچھے تخیلات اور مستعد زندگی ہی سے انسان خوبصورت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ نہ وہ دوائیں استعمال کرتے تھے اور نہ اعلیٰ غذائیں۔ صرف تخیل کی مدد سے اور جسمانی ورزش کی بنا پر وہ اپنے آپ کو خوبصورت بنا لیتے تھے۔ ایک مصنف نے لکھا ہے کہ اہل اسپارٹا خوبصورت اور بیکار آدمیوں کی ایسی تعظیم کرتے تھے جو پرستش کے قریب پہنچتی تھی۔ وہ ان امور کے حاصل کرنے کے وسائل عمل میں لاتے تھے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس مقصد کے لئے وہ گھروں میں بیکار پڑے رہتے تھے یا طرح طرح کے لباسوں سے آراستگی کے سوائے اور کچھ نہ تھا یا زیادہ تر توجہ ورزش (جمناسٹک) پر کرتے تھے اور آگے کچھ نہیں۔ نہیں نہیں۔ وہ لڑکوں اور لڑکیوں کو ایسی تعلیم دیتے تھے جس سے ان کو تکمیل جسمانی میں

ہوتی تھی اُن کی زیادہ تر تعلیم یہی تھی کہ اپنے بزرگوں کی دانائی کی باتیں سنا کریں اور اُن کی پاکیزہ اور بے ضرر تفریح طبع میں شریک ہوں اُن کی طبیعت پر تفریح کا بار نہیں ڈالتے تھے۔ بلکہ اُن کے تمام دماغوں میں وہ دانش و بینش بھری جاتی تھی جو معمر لوگوں کا حصہ ہے۔ جوان اکثر گھر سے باہر رہا کرتے تھے اور ہر ایک لڑکے کو فصل بونے اور کاٹنے کی تعلیم دیتے تھے اور ہر ایک لڑکی کو امور خانہ داری کی ایک اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی لیڈی بھی گھر کا ہر ایک قسم کا کام خود کیا کرتی تھی۔ ماما یا نوکر کی کچھ محتاجی نہ تھی۔ کسی کام کے کرنے کو وہ عیب نہ سمجھتی تھیں بلکہ اپنا زیادہ وقت کھلے میدانوں میں صرف کیا کرتی تھیں وہ اپنے گھر کی انگیٹھیوں پر اپنے کپڑے نہیں سکھاتی تھیں بلکہ باہر نکل کر ندی نالوں یا اُن گڑھوں میں جو خاص اسی غرض سے کھودے جاتے تھے اپنے کپڑے دھولایا کرتی تھیں۔ کپڑے دھونے کے دن کو تفریح کا دن سمجھتی تھیں نہ کہ مشقت کا دن جیسا کہ آج کل خیال کرتے ہیں۔ اسپارٹا کی عورتوں کو جسم و ذہن کے شغل کے واسطے اس مصروفیت میں کافی سامان مل جاتا تھا۔ وقت اُن کو ناگوار نہیں گذرتا تھا۔

اس طرح کی زندگی سے اعلیٰ درجہ کی صحت حاصل ہوتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس صحت سے اس درجہ استفادہ حاصل کیا اور ایسے سرسبز ہوئے کہ انہیں کو دیکھ کر ہر ایک آدمی پر ان کا جادو چل گیا۔ پھر بتاؤ کہ ایسے ملک میں حسینوں کی افراط کیوں نہ ہوتی؟ تمام ملک میں جس کا مرکز اسپارٹا تھا حسینوں کے لئے مشہور تھا۔ اُن کی خوبصورتی بھی معمولی درجہ کی خوبصورتی نہ تھی بلکہ خوبصورتی کے ساتھ ہی کامل صحت بھی حاصل تھی اور اُن کی خوبصورتی عارضی نہ تھی بلکہ مستقل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بالعموم یونان کی عورتیں پچاس برس کی عمر میں بھی ویسی ہی جوان رہتی تھیں جیسی کہ بیس برس کی عمر میں۔ یونان کی عورتیں حسن میں سب سے اعلیٰ تھیں نہ صرف بلحاظ جسمانی نشو و نما کے بلکہ بلحاظ اعلیٰ درجے کے حسن کے بھی۔ پھر ایسی ماں کی اولاد کے تنومند ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا تھا۔

بیان مذکورہ بالا سے یہ بات ظاہر ہے کہ جسمانی کمال حاصل کرنا ممکن ہے۔ ڈاکٹر جنکس بہت سچ لکھتا ہے کہ بعض حالات میں بالکل جائز وسائل سے

جسم انسانی کی اصلاح ہو سکتی ہے نہ صرف اعضائے اندرونی کی بلکہ اعضائے بیرونی کی بھی جسم انسانی لچکدار ہے جب تک کہ عمر اعضاء کو سخت نہیں کر دیتی وہ چکنی مٹی کی ایک مورت کی طرح نرم رہتا ہے۔ جیسے اپنی مرضی کے مطابق ٹیڑھا سیدھا کر سکتے ہیں۔ خوبصورتی کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا راز جسمانی صحت اور توانائی ہے۔

عجیب بات

میں اپنی یہ کتاب لکھ چکا تھا کہ یکایک ایک ماہوار رسالہ پر نظر پڑی جس سے معلوم ہوا کہ کوئی بیگم صاحبہ نے اپنی سیاحت میں قاہرہ مصر میں ایک ایسا مدرسہ بھی دیکھا جس میں عورتوں کو اپنے شوہروں کا دل مٹھی میں لینا سکھایا جاتا ہے میں نے کہا عجیب بات ہے کہ ادھر میں تسخیر شوہر کے نام سے کتاب تصنیف کرتا ہوں ادھر دوسرے ملک والے مجھ سے بھی بڑھ گئے کہ انہوں نے مدرسہ ہی کھول دیا میں نے مناسب خیال کیا کہ اصل مضمون سیاح بیگم صاحبہ کا داخل کتاب ہذا کر دوں تاکہ ناظرات کتاب کو معلوم ہو جائے کہ میرے ہم خیال دنیا میں اور بھی ہیں۔ اسکول کا کورس وہی ہے جو میں نے سوچا ہے۔ ذیل میں اصل مضمون نقل کرتا ہوں (خاموش)

شوہر کی دلنوازی سکھانے والا مدرسہ

از محترمہ بیگم روشن علی صاحبہ ایم ۔ اے

کئی سال سے ممالک اسلامیہ کی سیاحت کا میرے دل پر بے پناہ شوق تھا جب قسطنطنیہ انگورہ قاہرہ اور اسکندریہ کی ترقی کے حالات اخبارات میں پڑھتی تو بے قرار ہو جاتی تھی۔ خدا خدا کر کے عزم سفر کی تکمیل کا موقع حاصل ہوا اور میں ۲۲ ربیع الاول کی شام کو اپنے وطن سے روانہ ہو کر سب سے پہلے بمبئی۔ پھر پورٹ سعید پھر قاہرہ پھر اسکندریہ اور پھر دیگر مقامات پر پہنچی۔ یوں تو کتاب سفر کا ہر صفحہ بے انتہا دلچسپ اور مفید ہے لیکن میں اس وقت قاہرہ کی ایک عجیب و غریب درسگاہ "دار المعاشرۃ" کے حالات بیان کرونگی۔

یہ حیات افروز درسگاہ محترمہ مدیٰ خانم شعراوی کی زیر ہدایت طبقۂ نسواں کی قیمتی خدمات انجام دے رہی ہے اور اس درسگاہ کی سرپرست محترمہ ناجیہ سعد خانم ہیں جو مصر کی ایک مایۂ ناز حریت پرست خاتون ہیں۔

۱۷۔ ربیع الثانی کو جب میں اس درسگاہ کے "بیت الانتظار" میں پہنچی تو محترمہ شعراوی خانم نے میرا پر خلوص استقبال کیا اور مجھے بتایا کہ یہ درسگاہ مشرق میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ چند لمحے کی مخلصانہ بات چیت اور "قہوہ نوشی" کے بعد محترمہ ناظمہ مجھے اپنے ساتھ معائنہ کے لئے لے گئیں۔ سب سے پہلے ہم نے طبقۂ اول کا معائنہ کیا۔ اس درجہ میں وہ لڑکیاں رہتی ہیں جو قانون معاشرت سے بالکل ناواقف اور نو آموز ہیں یہاں اُن کو اس بات کی تعلیم دی جاتی ہے کہ شادی کے بعد کس طرح شوہر کے مزاج سے واقف ہونا چاہیئے؟ اور کس طرح اس کے محسوسات کا احترام کرنا چاہیئے۔ آمد و خرچ کا توازن کس طرح قائم رکھا جائے اور گھر میں نفاست اور پاکیزگی کس طرح قائم رہ سکتی ہے؟ اس درجے میں تقریباً ایک سو بیس لڑکیاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں جو سب کی سب ذہین اور تیز طبیعت ہیں۔

اس جماعت کے معائنہ سے فارغ ہو کر ہم طبقۂ ثانی میں پہنچے۔ اس کلاس میں وہ لڑکیاں جنکو تمدن و معاشرت کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ جب ہم کلاس میں داخل ہوئے تو اُستانی صاحبہ درس دے رہی تھیں کہ شوہر سے کس طرح اظہار محبت کرنا چاہیئے؟ کاروبار سے فارغ ہونے کے بعد دلنوازی کا طریقہ کیا ہے؟ دسترخوان پر کس انداز کی گفتگو ہونی چاہیئے؟ مکان کی تزئین و آرائش کے لئے کس اہتمام کی ضرورت ہے؟ شوہر کی لطافت احساس کا کس طرح احترام کیا جائے۔ جسمانی حالت کو بہتر صورت میں قائم رکھنے کے کیا ذرائع ہیں؟ شوہر کے بہترین خیالات و محسوسات کی کس طرح تائید کی جائے اور اخلاق قبیحہ کی اصلاح کیونکر ممکن ہے۔

محترمہ اُستانی صاحبہ کی تقریر اس قدر دلچسپ دلآویز اور پر از معلومات تھی کہ میں سراپا شوق بن کر سنتی رہی۔ اس درجہ کے معائنہ سے فارغ ہو کر

ہم طبقۂ ثالث میں پہنچے۔ یہ اس درسگاہ کی آخری کلاس ہے۔ اس کلاس میں لڑکیوں کو تحریر و تقریر کی مشق کرائی جاتی ہے۔ مشہور خواتین کے حالات پڑھائے جاتے ہیں اور مختلف ممالک کے سیاسی حالات بیان کئے جاتے ہیں اس درجے کی تمام طالبات بہترین خطیب، بہترین مضمون نگار، بہترین ادیب اور بہترین سیاست داں ہیں۔

محترمہ ناظمہ صاحبہ سے مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب حکومت شرق کی حکومت عراق اور حکومت مصر کو اعلیٰ تہذیب یافتہ روشن خیال اور ذی استعداد خواتین کی ضرورت ہوتی ہے تو اکثر اسی درسگاہ سے مشورہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اے کاش ہمارے وطن کے ارباب سیادت اور "حامی حقوق نسواں" صاحبان کے دل میں بھی ہماری فلاح و ترقی کا جذبہ پیدا ہو اور ہمارے وطن میں بھی کوئی ایسی مفید درسگاہ قائم ہو۔

غیر فانی جہیز

میری تجویز ہے کہ میری یہ کتاب مسلمان دلہنوں کو خوبصورت جزدان میں رکھ کر جہیز میں دی جایا کرے۔ کیونکہ سامان کا اور جہیز تو تھوڑے دنوں میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائیگا۔ لیکن میرا یہ جہیز اگر دلہن نے اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیا تو وہ اس کی دونوں جہان کی زندگی کو درست کرنے والا ثابت ہوگا اور اسی معنی میں میں اس کو غیر فانی جہیز کہتا ہوں۔

اخبار منادی دہلی میں حضرت خواجہ حسن نظامی نے ایک نظم چھپوائی ہے جسے حضرت اکبر الہ آبادی نے لکھ کر بطور جہیز دی تھی۔ میں بھی اس نظم کو بطور تبرک اپنی اس کتاب میں شامل کرتا ہوں۔

وہ نظم جو حضرت خواجہ حسن نظامی کی لڑکی حور بانو کو اس کی شادی کے وقت بطور جہیز کے حضرت اکبر نے عطا فرمائی تھی

تعلیم عورتوں کو بھی دینی ضرور ہے ۔۔۔ لڑکی جو بے پڑھی ہو تو وہ بے شعور ہے

حسن معاشرت میں اگر سر فتور ہے
اُن پر یہ فرض ہے کہ کریں کوئی بندوبست
لیکن ضرور ہے کہ مناسب ہو تربیت
آزادیاں مزاج میں آئیں نہ تمکنت
ہر چند ہو علوم ضروری کی عطا [illegible]
مذہب کے جو اصول ہوں ان کو بتائے جائیں
اوہام جو غلط ہوں وہ دل سے مٹائے جائیں
عصیاں سے محترز ہو خدا سے ڈرا کرے
تعلیم خوب ہو تو نہ آئے گی دام میں
جہالت ہی سے ہو گی غرض خاص و عام میں
اچھا برا جو کچھ ہے خدا ہی کے ہاتھ سے
تعلیم ہے حساب کی بھی واجبات سے
ہو کیا زیادہ گن نہ سکے پانچ سات سے
گھر کا حساب سیکھ لے خود آپ جوڑنا
کھانا پکانا جب نہیں آتا تو کیا مزا
لندن کے کئی رسالوں میں پڑھے ہی چھپا
وقت آپڑے تو کام کا ہے گھر ہی میں بھی [illegible]
سینا پرونا عورتوں کا [illegible] ہنر
عورت کے دل میں شوق ہو اس بات کا اگر
کسب معاش کو بھی یہ فن ہے کبھی مفید
سب سے زیادہ فکر ہے صحت کی لازمی
کھانے بھی بے ضرر ہوں صفائی ہو جہاں بھی
تعلیم کی حرارت اور ایک قدم بڑھائیں
پبلک میں کیا ضرور کہ جا کر تنی رہو
دانا کے دہن دیا ہے تو دل سے ہنسی رہو

اور اس میں قوم الدین کا بیشک قصور ہے
چھوڑیں نہ لڑکیوں کو جہالت میں شاد و مست
جس سے برادری میں بڑھے قدر و منزلت
ہو وہ طریق جس میں ہو نیکی و مصلحت
شوہر کی ہو مرید تو بچوں کی خادمہ
باقاعدہ طریق پرستش سکھائے جائیں
سکّے خدا کے نام کے دل میں بٹھائے جائیں
اور حسن عاقبت کی ہمیشہ دعا کرے
خالق پہ تو لگائے گی وہ اپنے کام میں
سکھ سکایا جائے یہ واضح کلام میں
نیکی اگر کرے گی تو قدرت بھی ساتھ ہے
دیوار پریشان تو ہیں امہات سے
لازم ہے کام لے وہ قلم اور دوات سے
اچھا نہیں ہے محض پہ یہ کام چھوڑنا
جو ہے عورتوں کے لئے یہ بہت بڑا
مطبخ سے رکھنا چاہئے لڑکی کو سلسلہ
گھر کے لئے تمام پڑی ہیں بھی عذر کیا
درزی کی جو رکھوالی ہے حفاظت ہو نظر
کپڑے جو سیکھ جاتے ہیں کل کس طرح سنور
اک مشغلہ بھی ہے دل کے بہلنے کی بھی امید
صحت نہیں درست تو کیا زندگی
آفت ہی ہو جو گھر کی صفائی میں کمی
صحت کے حفظ کے جو قواعد ہیں وہ پڑھیں
تقلید مغربی پہ مت کیوں کھنچی رہو
پڑھ لکھ کے اپنے گھر ہی میں بیبی بنی رہو

مشرق کی چال ڈھال کا معمول اور ہے — مغرب کے نازورقص کا اسکول اور ہے
دنیا میں لذتیں ہیں نمائش ہے شان ہے — ان کی طلب میں حرص میں سارا جہان ہے
اکبر سے بھی سنو کہ جو اسکا بیان ہے — دنیا کی زندگی فقط اک امتحان ہے

حد سے جو بڑھ گیا تو ہے اس کا عمل خراب
آج اس کا خوشنما ہے مگر ہوگا کل خراب

یہ نظم ۱۹۳۵ء ہجری کو عطا کی تھی جبکہ جوریا ئو کی شادی ہوئی تھی جس نظامی

باب سیوم

عملیات روحانی

اے عورت جان اور سمجھ کہ تیری ذات اللہ تعالیٰ کی کھلی قدرت کا زندہ نمونہ ہے۔ تیرے وجود میں تیرے خالق نے ایک ایسی خفیہ کشش یا مقناطیسیت چھپا رکھی ہے جو مرد کو مجبور کرتی ہے کہ اپنی جنت کو تیری موجودگی سے مکمل کرے۔ یا یوں کہو کہ تو نہ ہو تو اس کی بہشت دوزخ بن جائے ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان حضرات سے کون امید کر سکتا کہ تیری امداد، دستگیری اور رکھ رکھاؤ سے اپنے نفس کو منتقل کرتے اور تیری پرداخت اور حفاظت کا پھندا اپنے گلے میں ڈالے ڈالے پھرتے پس اے خاتون تیرا فرض اور عین فرض ہے کہ تو دنیا کی ساری تدبیروں اور تجویزوں کے ساتھ ساتھ اپنے اس خالق و مالک کو نہ بھول اور اس کی یاد کو تازہ رکھ۔

نماز

اس کی یاد مسلم خاتون کے لئے نماز سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے تو اس سے غافل نہ ہو یہ سچ ہے کہ نماز ایسی عورت کے لئے اور بھی مشکل ہو جاتی ہے جو بچوں والی ہو جاتی ہے کیونکہ معصوم بچے ماں کی طہارت کو مشکل سے برقرار رہنے دیتے ہیں تاہم اللہ سے ڈرنے والیاں بیویوں کو میں نے دیکھا ہے کہ کسی مشکل سے نہیں ڈرتیں

اور ایک طرف بچوں کی پاکی کا لحاظ رکھتی ہیں۔ دوسری طرف خود کو ہر قسم کی غلاظت سے بچانے کی کوشش کرتی ہیں اور اس طرح جب وقت ملتا ہے مالک کے سامنے سجدہ کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔

اس تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کو نماز کی پابندی کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ جیسا انسان علاج کر تھکے اور کوئی دوا کام نہ دے تو پھر دعا ہی سے مطلب برآری ہوتی ہے۔ اور دعا نماز بغیر طعام بے نمک ہے۔

ایک بیوی سے میں نے پوچھا کہ تم میں تو کوئی ایسا سلیقہ ہے نہ ڈھنگ پھر آخر کیا بات ہے کہ تمہارے میاں تم پر اس قدر گرویدہ ہیں تمہارے حکم بغیر پانی نہیں پیتے باہر ان کے دوست) خیر اب ان کا مزاح اڑاتے ہیں کوئی کہتا ہے زن مرید ہیں کوئی کچھ اور کوئی کچھ۔ بعضوں کا یہ خیال ہے کہ آپ کو ٹونے ٹوٹکے آتے ہیں اور آپ نے نہ معلوم کیا کھلا دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ بیوی نے کہا کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ میں نے کچھ نہیں کیا اور نہ مجھے کچھ آتا ہے بات یہ ہے کہ میرے شوہر پہلے بڑے سخت مزاج تھے اور بات بات پر مجھ سے بگڑتے تھے اور میری یہ حالت تھی کہ ہر طرف سے بے بسی اور بدتمیزی آخر مجھے یکایک خیال آیا کہ یوں عمر کیسے بسر ہوگی آخر اللہ نے میرے دل میں یہ بات ڈالدی کہ جو کچھ مانگوں اپنے مالک اور خالق سے مانگوں بس نماز پڑھنے لگی اور پچھلی رات کو دعا مانگنے لگی۔ بس اس کی کریمی کہ اس نے مجھ پر میرے میاں کو ایسا مہربان کر دیا کہ وہ فرمانبردار کیا عاشق بن گئے۔ اب میرا ہر عیب ان کو ہنر نظر آتا ہے میں ان کے اس برتاؤ سے مغرور نہیں ہوئی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ یہ سب نماز کی برکت ہے اور اللہ تعالیٰ کی کریمی کا کرشمہ ہے اور یہ بھی ہے کہ میں جان بوجھ کر اپنے شوہر کی نافرمانی بھی نہیں کرتی۔ کہنے لگیں کہ اگر میرا بس ہو تو میں ساری دنیا کی مظلوم عورتوں کو ایک جگہ جمع کروں اور ان سے کہوں کہ تم اپنے شوہر کو اگر اپنانا چاہتی ہو تو تم اللہ کی ہو جاؤ بس بیڑا پار ہے اگر تم پر ظلم ہو رہا ہو تو صبر کرو اور نماز پڑھو اور اللہ سے دعا مانگو دیکھو کیسے تمہاری تمنا پوری نہیں ہوتی۔"

اللہ خود قرآن پاک میں صاف فرما چکا ہے:- یا ایھا الذین اٰمنو استعینوا باالصبر والصلواۃ ۔ یعنی ایمان والو نماز اور صبر کے ساتھ مجھ سے مدد مانگو

سورۂ اخلاص کے عمل

قل ہو اللہ احد کی سورہ کا نام سورۂ اخلاص ہے ہر نمازی مسلمان رات دن قل ہو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد پڑھتا ہے اور وہ محض چھوٹی سورہ سمجھ کر اپنی آسانی کے لئے پڑھتا ہے اسے پتہ نہیں کہ یہ چھوٹی سی سورۃ اپنے میں بڑی بڑی برکتیں پوشیدہ رکھتی ہے۔ مذہبی کتابوں اور قرآن مجید کی تفسیروں میں اس سورہ کے فضائل اسقدر لکھے ہیں کہ ورق کے ورق بھرے پڑے ہیں۔ علاوہ بریں قرآنی عملیات کے عاملوں کے لئے یہ سورہ بڑی نعمت ہے کیونکہ اس کی تاثیر سے وہ بلاؤں کے بڑے بڑے پہاڑ سامنے سے ٹلا دیتے ہیں۔

مجھ مصنف کتاب ہذا کو بھی قل ہو اللہ شریف کا عمل خاص کعبہ شریف میں ایک بزرگ سے حاصل ہوا ہے جو سینکڑوں بار کا مجرب ہے۔ لہذا میں اپنی بہو بیٹیوں کو بتائے دیتا ہوں وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور میری روح کو بھی یہی سورۂ شریف پڑھ کر بخشدیا کریں۔ روح کو اس لئے کہتا ہوں کہ آج زندہ ہوں کل کی خبر نہیں۔ آج کل جوانوں کا ٹھیک نہیں ہے تو میں تو ستر برس کا ہو چکا ہوں رخت سفر بندھا رکھا ہے ٹکٹ ہاتھ میں ہے پلیٹ فارم پر ٹہل رہے ہیں۔ ریل کا انتظار ہے۔ دل دھڑک رہا ہے کہ دیکھئے سفر کیسے کٹتے۔ ٹرین میں بیٹھ نہ ہو ٹکٹ نہ کھو جائے۔ سامان زیادہ ہو گئے سفری پابندیاں دے مزید محصول نہ مانگ بیٹھے جیب میں دام نہوں تو کیسے بنے۔ پولیس کے پہر نکڑ دے بڑی رسوائی اور بدنامی ہو وغیرہ وغیرہ۔ سفر آخرت دنیا کے سفر میں اگر یاد آجایا کرے تو قلب کی بہت کچھ اصلاح ہو جائے۔ ریل کا سفر سفر آخرت کا شاہد ہے جس وقت ٹرین آجاتی ہے پھر اس میں جلدی سے بیٹھنا ہی پڑتا ہے دوست آشنا عزیز اقارب کو چھوڑنا پڑتا ہے بعض وقت تو ایسی جلدی

اور گھبراہٹ مسافر پر طاری ہوتی ہے کہ وہ نہ کسی سے مصافحہ کرتا ہے اور نہ کسی سے
گلے ملتا ہے اور بعض وقت یہ بھی کسی سے کہنے نہیں پاتا کہ بھائی اچھی طرح رہنا
اور خط لکھتے رہنا اور سیٹی ہو جاتی ہے اور ریل چل پڑتی ہے۔ بس یہی حال موت
کا ہے کہ بعض وقت ایسے اچانک آجاتی ہے کہ کوئی وصیت کا بھی موقع نہیں
دیتی اور اگر کسی کو طویل علالت کے بعد موت آتی ہے تو بھی اطمینان کا اسمیں
بھی پتہ نہیں۔ اول تو مریض آخر دم تک یہی سمجھتا رہتا ہے کہ میں اچھا ہو جاؤں گا
اور اگر ہزاروں میں ایک آدھ کو پہلے سے اجل نظر آگئی تو اپنے اعمال گذشتہ
کے جھگڑوں میں ایسا پریشان اور سراسیمہ ہو جاتا ہے کہ اسکو کسی چیز میں دلچسپی
نہیں رہتی۔

جس طرح مسافر کو ٹکٹ کی گمشدگی سامان کی زیادتی یا بابوؤں کی کشمکش
کا ڈر بنا رہتا ہے یہی حال مسافر راہ آخرت کے لئے سارے سامان پریشانی
موجود ہیں بلکہ ہزار گنا زیادہ۔ خدا جانے کیا پوچھا جائے کیا منہ سے نکلے۔ ریل
آنے سے پہلے اکثر مسافر آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں۔ حقہ پان کا تبادلہ ہوتا ہے
بڑے پیار اور خلوص کی باتیں ہونے لگتی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے پرانے
دوست ہیں مگر جونہی ریل کا انجن شور غل کرتا ہوا داخل ہوتا ہے ساری ہمدردی
اور دوستی رخصت ہو جاتی ہے اور ہر شخص نفسی نفسی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر کسی
کو یہ دھیان نہیں رہتا کہ ہمارا دوست بھی آرام سے بیٹھ سکا یا نہیں۔ وہ کہیں یا
یہ کہیں نہ صاحب نہ سلامت نہ دعا نہ سلام بس یہی حال عدم کے مسافروں
کا ہے۔ بس دنیا کو پلیٹ فارم سمجھو۔ تھوڑی دیر کا دل بہلاتا ہے۔ بس پیغام موت
کی سیٹی سنائی دی کہ رخصت تم کون اور میں کون۔ گناہوں کی گٹھریاں ہیں اور
مسافر کا سر ہے۔ یہاں تو قلی سے کام چل جاتا ہے وہاں اپنا اپنا بار اور اپنی
اپنی گردن ہوگی۔ پلیٹ فارم پر بیٹھے ہوئے بعض غافل مسافر اس وقت تک
غافل رہتے ہیں جب تک شور ہوتا ہے کہ چلو مسافر فلاں ٹھہر پر اس وقت انکا
سامان بکھرا ہوا ہوتا ہے۔ بستر بندھا نہیں ہوتا ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں کیا
کریں برخلاف اس کے چالاک اور تجربہ کار مسافر پہلے سے بستر باندھے

کیسے کسا یا ریل کے انتظار میں کھڑا ملتا ہے۔ ٹرین آئی اور یہ داخل ہو گیا بس عاقبت کے مسافروں کا بھی یہی حال ہے۔ چشم بصیرت ہو تو سب نظر آتا ہے۔

میں کہاں سے کہاں پہنچا

ذکر تھا سورہ اخلاص کا! اور چھڑ گئی بات سفر آخرت کی۔ خیر اب سنو۔ پیاری بہو بیٹیو۔ سورہ قل ہو اللہ شریف عجیب اثر رکھتی ہے۔

اگر چاند رات کے دوسرے روز جمعرات پڑے تو تم مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر نہیں جا نماز پر بیٹھی رہو اور گیارہ سو مرتبہ قل ہو اللہ شریف بسم اللہ کے ساتھ پڑھ لو۔ بس یہ عمل کی زکوٰۃ ہو گئی اور تم عامل ہو گئیں۔ زیادہ سے زیادہ تمہارا ایک گھنٹہ صرف ہو گا۔ اس کے بعد تم جب چاہو کسی پھول پہ تین بار یہی سورہ اخلاص یعنی قل ہو اللہ پڑھ کر پھونک دو یعنی دم کر دو اور اس پھول کو کسی طرح سے کسی بہانے کسی وقت اپنے شوہر کو سنگھا دو پھر تم اس کا اثر دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ بس وہ تمہاری خوشی کو اپنی خوشی جانیگا۔ تمہارے آرام کو اپنا آرام جانیگا۔ ہاں یہ خیال رکھنا کہ وہ پھول اس طرح نہ پھینکا جائے کہ پیروں میں آوے۔ اگر پھول میں دقت معلوم ہو تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں ہے کسی مٹھائی پر دم کر دو اسے کھلا دو یہی اثر دیکھو گی یا شربت پانی پر دم کر کے پلا دو ایک ہی بات ہے مگر پھول پر خصوصاً گلاب کے پھول پر بہت سریع الاثر ہے اگر ایک دو دفعہ میں نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلے تو دو چار دفعہ سہی اس میں مشکل کونسی ہے

قرآن مجید کی تلاوت ہی شوہر سے محبت کرنا یا اس کے محبت کی دعا ہونا سب فعل حلال ہیں۔ پھر اثر نہ ہوتا کیا معنی مگر یہاں ایک نکتہ بتا دینا ضروری ہے وہ یہ کہ میں جو جو تدابیر یا نسخے تم کو لکھ رہا ہوں ان سے [illegible] نہ برتی جائے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جب محض قل ہو اللہ [illegible] ہوتے ہیں تو دوسری اور دوسری کیوں [illegible] کا حکم ہے [illegible]

دعا مانگو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اُن تدبیروں کے ساتھ ساتھ یہ عمل بھی جاری رہے۔

نماز بڑی چیز ہے اس کے بغیر کوئی عمل کام نہیں کرتا۔

قل ہو اللہ شریف اور بہت سے کاموں کا مجرب عمل ہے۔ اگر کند ذہن لڑکا ہو ماں صبح کی نماز سے فارغ ہو کر کسی کھانے یا پینے کی چیز پر سات بار دم کر کے طلوع آفتاب سے قبل کھلا دے یا پلا دے اور متواتر سات دن یہی کرے انشاء اللہ بچہ کا حافظہ اسقدر ترقی کر جائیگا کہ جو چیز ایک بار پڑھ لیگا کبھی نہ بھولیگا اگر کسی مریض کو دوا نفع نہ کرتی ہو تو طبیب یا تیماردار گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص دم کر کے دوا پر پھونک دیا کرے تو دوا میں غیب سے اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر اس میں بھی وہی شرط ہے کہ عامل ہو اور نمازی۔

اگر کوئی چیز چوری گئی ہو تو عشاء کی نماز کے بعد سونے سے پہلے گیارہ بار قل ہو اللہ پڑھ کر بغیر کسی سے بات کئے سو جائے تو چور کی صورت خواب میں دکھا دی جاتی ہے اول و آخر تین تین بار درود شریف ضرور پڑھ لیا چاہئے یہ بھی یاد رہے کہ جب سورہ قل ہو اللہ پڑھی جائے تو بسم اللہ کے ساتھ پڑھی جائے۔ اگر ایک بار پڑھنے سے مطلب حاصل نہ ہو تو کئی بار کرنا چاہئے

اگر کوئی عزیز سفر دور دراز پر جا رہا ہو تو مسافر کی ماں بہن یا بیوی تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر داہنے کان میں آہستہ سے پھونک دے تو انشاء اللہ مسافر کو راستے میں کوئی خطرہ نہ ہوگا اور خیریت سے پہنچے گا۔ اول و آخر ایک ایک دفعہ درود پڑھ لینا ضروری ہے۔ یہ کام کل ایک منٹ کا ہے۔ مگر برکت کیسی زبردست ہے۔ یہ خدا کے کلام کی تاثیر کے کرشمے ہیں۔ اعتقاد شرط ہے۔ اللہ تعالےٰ عقیدہ خالص عطا فرمائے پھر ہر مشکل آسان ہے۔

جب کوئی خط کوئی عرضی کوئی درخواست کہیں بھیجی جائے تو لفافہ میں بند کرنے سے پہلے تین بار قل ہو اللہ دم کر دی جائے پھر وہ کاغذ لفافہ میں رکھا جائے۔ خط پڑھنے والے پر یہ اثر ہوگا کہ تم نے جو چاہا ہے وہی کرنے

پر آمادہ ہو جائے گا بس فقط

بسم اللہ شریف کا عمل

بسم اللہ الرحیم کہنے کو ذرہ سی چیز ہے مگر اس کے اثرات ایسے ہیں کہ پہاڑ کو سامنے سے ہٹا دیتے ہیں چونکہ ہر وقت ہر کس و ناکس کی زبان پر رہتی ہے اس لئے ہم مسلمانوں نے ایک حقیر سی چیز سمجھ رکھی ہے اور بسم اللہ کہنے یا پڑھنے والی زبانیں بھی وہ ہوتی ہیں جو رات دن جھوٹ بدگوئی فحش کلامی غیبت سے ملوث ہوتی ہیں یا یوں کہو کہ بسم اللہ اکثر ان منہوں اور زبانوں سے نکلتی ہے جس منہ میں جائز ناجائز لقمے بھی جاتے رہتے ہیں تو پھر اگر اس میں اثر نہ ہو تو کونسی تعجب کی بات ہے ورنہ جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں بسم اللہ شریف ہی ہر مشکل کے حل کے لئے کافی ہے لیکن اُن لوگوں کو اس سے کوئی نفع نہ ہوگا جو نماز کو چھوڑے ہوئے ہیں اب اس مختصر سی تمہید کے بعد میں بسم اللہ شریف کے چند آسان عملیات جو مجھکو بزرگان ہند و عراق و حجاز سے ملے ہیں اپنی بہنوں بھائیوں کے لئے لکھتا ہوں کہ وہ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ وھو ہذا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر نماز کے بعد تسبیح پر پڑھنا چاہئے اور جتنی تسبیح پڑھیں اُن کو کاغذ کی ایک کاپی پر بطور یادداشت لکھتے رہنا چاہئے۔ کوئی قید نہیں کس وقت پڑھنی چاہئے۔ یہ بھی قید نہیں کہ ایک ہی جگہ بیٹھکر پڑھنا چاہیئے جب دس تسبیح ہو جائیں ایک ہزار لکھ لو۔ اس طرح کل تعداد بسم اللہ شریف کی سوا لاکھ ہونا چاہئے جتنے دن میں بھی ہو سکے بس با وضو ہونا شرط ہے۔ اور کوئی قید نہیں ایک سو ہزار کے تو ایک لاکھ ہو گئے اور ۲۵ ہزار اور پڑھ لو تو سوا لاکھ ہو گئے۔ دس تسبیح پڑھیں تو گویا ایک ہزار پڑھ لیں اور جب ایسی دس دس تسبیح کرکے دس دفعہ ہو گئیں تو ایک لاکھ ہو گئے اب ۲۵ ہزار اور چاہیئے اُن کو بھی دس دس تسبیح کرکے دو دفعہ پڑھ ڈالو اب صرف ۵ ہزار اور رہے دس دس تسبیح کے پانچ اور ہو گئے۔

جب سوا لاکھ مرتبہ تم نے بسم اللہ شریف پڑھ ڈالی تو گویا تم بسم اللہ

کی عادی ہوگئیں۔ اب تم جس کام کے لئے ایسے چند بار پڑھو گی پورا ہوگا۔ مثلاً جب تم اپنے شوہر کے لئے کھانا نکالو تو برتن میں جب کوئی سالن یا کوئی کھانے کی چیز رکھو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر رکھو سینی یا دسترخوان میں روٹیاں رکھو تو بسم اللہ پڑھ کر رکھو۔ جب سامنے کھانا رکھو تو بسم اللہ پڑھ کر رکھو۔ جب مرد پہلا لقمہ منہ میں لے جائے تو تم بسم اللہ پڑھو۔ اگر زور سے نہ کہہ سکتی ہو تو آہستہ سے کہو اگر زبان سے نہ کہنا چاہتی ہو تو دل ہی میں کہہ لو۔ بس اتنا سا کام ہے اس میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ چند سکنڈ کا کام ہے مگر اس کے اثرات تم حیرت انگیز دیکھو گی۔ یعنی شوہر تمہارے ہر کام کو محبت اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اگر تمہارے ہاتھوں کچھ بگڑ بھی گیا ہے تو وہ درگذر کریگا بلکہ اس میں بگاڑ نظر ہی نہ آوے گا۔

اگر تم سات بار بسم اللہ پڑھ کر کسی پانی پر دم کر دو گی وہ مریضوں کے حق میں شفا بن جائے گا۔ اگر تم کسی بچے کو پہلے پہل بسم اللہ پڑھا کر مکتب یا اسکول بھیجو گی اس کا ذہن کھل جائے گا یادداشت ترقی کرے گی اور بچے کو پڑھنے لکھنے کا شوق بڑھ جائے گا۔

اگر تم بسم اللہ پڑھ کر کوئی بیج زمین میں بو دو گی تو درخت خوب پھولے اور پھلیگا اگر وبائی موسم میں زعفران سے لکھ کر تم بسم اللہ شریف بچوں کے گلے میں مثل تعویذ ڈال دو گی تو وبا کی زہریلی ہوا سے محفوظ رہیں گے وغیرہ وغیرہ

آیہ کریمہ یا اسم اعظم کا عمل

لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ یہ قرآن کریم کی وہ آیت ہے جو حضرت یونس نبی علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں پڑھی تو اس کی برکت سے وہ ہضم نہ ہو سکے اور آخر کار مچھلی نے باہر آ کر ریت میں اُن کو اُگل دیا۔ بزرگانِ دین کا اتفاق ہے کہ اس آیہ میں ایسی برکت اور زور دار اثر موجود ہے کہ ہر مشکل کے وقت جبکہ دنیا کی تدبیریں تھک کر ہتیار ڈال چکی ہوں اور کوئی آس اور امید باقی نہ رہی ہو یہ آیہ شریف اپنا

اپنا کام کر گئی۔ یہ بات دوسری ہے کہ مرضی الٰہی یا قضائے الٰہی اس کے برخلاف کرنا چاہتی ہو ورنہ ہزاروں دفعہ کی تو میری آزمودہ ہے۔ میں نے دیکھا کہ ملزم پھانسی کے تختے سے اُتار لیئے گئے۔ جج کا قلم سزا کا حکم لکھتے لکھتے رک گیا اور وہ جو سوچے بیٹھا تھا اس کے برخلاف لکھ گیا۔

ڈوبتا شخص بچ گیا اور بہتے ہوئے دریا کی موجوں نے تھپیڑے دیکر باہر کنارے پر پھینک دیا۔ راجہ کو گدی سے اُتارنے کا حکم وائسرائے اور سیکریٹری آف اسٹیٹ کے دفتر سے روانہ ہو چکا مگر اس آیہ کریمہ کی برکت سے راستے میں روک لیا گیا۔ اور بادشاہ سلامت کے ایک تار نے سب کو منسوخ کر دیا۔ راجپوتانہ کے ایک راجہ صاحب نے کچھ مسلمان ملازم اسی غرض سے رکھ چھوڑے ہیں کہ وہ ہر روز سوا لاکھ مرتبہ اس اسم اعظم کو پڑھا کریں۔ خود ان کا بیان ہے کہ اس سے پہلے میں ہزاروں مصیبتوں کا شکار رہتا تھا۔ مگر اب سکون اور امن کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اس آیہ کا ایک عامل دہکتی ہوئی آگ پر چلتا ہے مگر آبلے نہیں پڑتے وغیرہ وغیرہ۔ کہاں تک لکھا جائے۔ بس اب میں چاہتا ہوں کہ چند عملیات آسان ترین بتا کر اپنا فرض ختم کروں۔

ترکیب

اس آیہ کریمہ کی زکوٰۃ وغیرہ نہیں دی جاتی۔ ہر دم اس میں اثر موجود ہے جب کوئی سخت مصیبت آئے اور دنیاوی تدبیر سے ٹلتی نظر نہ آئے تو یہ انتظام کرو کہ سات یا گیارہ یا اکیس عورتیں ایک کمرہ میں بعد نماز عشاء تسبیح لیکر بیٹھ جائیں اور اس حساب سے اس آیہ کو پڑھنا شروع کریں کہ ایک رات میں یا تین رات میں یا سات رات میں سوا لاکھ پوری ہو جاوے اس کا وظیفہ اندھیرے میں پڑھا جاتا ہے۔ پیالوں میں پانی بھر کر اپنے اپنے پاس رکھ لیں تسبیح کو تر کر لیا کریں۔ آنکھوں پر بھی پھیر لیا کریں۔ پیاس لگے تو پی بھی لیں۔ اول و آخر درود شریف ہر وظیفہ میں کم از کم گیارہ بار پڑھنا ضروری ہے بار بار لکھنے سے کیا فائدہ درود شریف کوئی ہو اور نہ یاد ہو تو اللھم صلی

علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد بارک وسلم کافی ہے۔ یہ وظیفہ بڑا زوردار ہے اور تیر بہدف ہے۔ جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں بعض لوگ اس وظیفہ کو تنہا پڑھنا چاہتے ہیں اور اس کو راز میں رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چالیس رات میں سوا لاکھ ختم کریں۔ اگر ترک حیوانات کریں تو اور بھی زوردار ہو جاویگا۔ ترک حیوانات سے مراد ہے کہ گوشت نہ کھائیں۔ صرف دال اور سبزی سے گذر کریں۔ لیکن اگر کسی سے یہ نہ ہو سکے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے مگر یہ زیادہ صحیح ہے کہ اس وظیفہ کو مصیبت کے ٹالنے کے کام میں لاتے ہیں۔ جب تسخیر میں کام نہیں دیتا۔ بعض لوگ اسکو بہتے ہوئے پانی میں کھڑے ہو کر اور بعض چاند کی روشنی میں بیٹھکر پڑھتے ہیں مگر یہ جھگڑے عورتوں سے کہاں ہو سکتے ہیں۔ میں نے سیدھا سادہ طریقہ لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اثر دینے والا ہے۔ بس اسی کا سہارا کافی ہے۔

سورہ یٰسین شریف کا عمل

دنیا بھر کے مسلمان جانتے ہیں کہ یہ قرآن شریف کا دل ہے اس کے ذریعہ دین و دنیا دونوں بنجاتی ہیں۔ عورتیں جو قرآن مجید پڑھتی ہیں سب واقف ہیں کہ یٰسین شریف کے عمل کا کیا درجہ ہے۔ بعض جاہل عورتیں اس سورہ کو صرف مرنے کے وقت پڑھنے کے کام کا جانتی ہیں۔ یہ ان کی جہالت کا سبب ہے بات یہ ہے کہ اس سورۃ میں ہزاروں قسم کی برکتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سکرات موت سے نجات مل جاتی ہے ورنہ اس سورہ کے ذریعے ہزاروں مریض بھی تو اچھے ہوتے ہیں۔ اب میں یہاں چند آسان عملیات سورہ یٰسین کے اپنے بہو بیٹیوں کو بتاتا ہوں تاکہ وہ فایدہ اٹھائیں۔

(۱) جس کو کوئی ایسی حاجت درپیش ہو جو دنیاوی تدبیر سے اس کی عقدہ کشائی ناممکن نظر آتی ہو اس کو چاہیئے کہ جمعہ کی رات یعنی پنجشنبہ کو بعد نماز عشا دو رکعت نفل پڑھے۔ اسی نماز میں سورہ یٰسین شریف ختم کرے اور مندرجہ ذیل سات سلطانوں کو ثواب نذر کرکے اللہ تعالیٰ سے

دعا مانگئے نو دوسرا جمعہ نہ آنے پاویگا کہ کام انشاءاللہ ہو جاویگا۔

نام یہ ہیں۔

حضرت سلطان علی رضا۔ حضرت سلطان بایزید بسطامی۔ حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر۔ حضرت سلطان ابراہیم ادہم۔ حضرت سلطان سنجر یاسینی۔ حضرت سلطان محمود غزنوی۔ حضرت سلطان اسمٰعیل سامانی۔ اگر سورہ شریف زبانی یاد نہو تو نماز نفل معمولی پڑھ کر قرآن مجید سے سورہ پڑھلے وہی اثر ہوگا۔

دوسرا عمل

اگر نمک پر سورہ یٰسین دم کرکے کسی جانور دودھ والے کو کھلائے تو دودھ افراط سے ہوتا ہے۔ یہی نمک اگر عورت کو کھلایا جائے تو اس کے بھی کثرت سے دودھ ہوگا۔

تیسرا عمل

اگر کوئی غم درپیش ہو جس سے دماغ پر برا اثر ہو تو صبح کی نماز کے بعد سورہ یٰسین شریف پڑھو اور جس جگہ سلامٌ قولاً من رب رحیم آوے تو اسے بہتر دفعہ کہہ کے پھر آگے چلے۔ بس ایک ہی دفعہ میں قلب کی حالت کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔

چوتھا عمل

کسی قسم کی حاجت ہو سورہ یٰسین شریف کو چار مرتبہ پڑھے اس عرصہ میں کسی سے بات نہ کرے اور اسی وقت ذیل کی دعا پڑھ کر اللہ سے دعا مانگ لے انشاءاللہ مراد پوری ہوگی دعا یہ ہے۔

سبحان المنفس عن کل ملہوفٍ۔ سبحان المفرج عن کل محزونٍ سبحان من جعل خزائنہ بین الکاف والنون۔ سبحان من اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون یا مفرج فرج اس کے بعد چار مرتبہ کہے فرج عنی ھمی وغمی فرجًا برحمتك یا ارحم الراحمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم۔

پانچواں

ایک جگہ جمع ہوکر پانچ یا سات عورتیں یا مرد باوضو ہوکر ۲ ۷ مرتبہ سورہ

یٰسین پڑھ لیں اور دعا کسی خاص کام کے لئے مانگیں۔ پھر قبولیت کا تماشہ دیکھیں اس میں آپس میں تقسیم کرلیں یعنی سب کا وظیفہ ملا کر بہتر (۷۲) دفعہ ہو جائے۔

چھٹا عمل

جس کام کا ہونا دشوار نظر آتا ہو تو سورہ یٰسین پڑھ کر ایک محمد کو نذر کرے اسی طرح گیارہ محمد کے نام پر نذر کرنا ہو گا۔ یعنی گیارہ بار پڑھنی ہو گی ہر ایک کے نام الگ الگ ثواب نذر ہو گا۔ آخر میں دعا مانگی جاوے گی۔ یہ ایک ہی کے کرنے کا کام ہے۔ اسم گرامی یازدہ محمد حسب ذیل ہیں۔ (۱) حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم (۲) محمد عبداللہ (۳) محمد اسلم بلخی (۴) محمد داود سلطان (۵) محمد بن افضل (۶) محمد اسمٰعیل بخاری (۷) محمد پیادہ پلے (۸) محمد سوز نگیر (۹) محمد خارکش (۱۰) محمد خیر النساج (۱۱) محمد حجبی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

آسان عمل

بعض وقت بیویوں کا کوئی زیور گم ہو جاتا ہے یا کوئی اور چیز یعنی وہ کہیں رکھ کر بھول جاتی ہیں اور وقت پر تلاش سے نہیں ملتی اور میاں ناراض ہو رہے ہیں اور غریب بیوی کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں ایسے وقت میں گیارہ تین مرتبہ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ لینا چاہیے۔ خواہ زبان سے یا دل میں انشاء اللہ چیز مل جائے گی یا یاد پڑ جائیگا کہ کہاں رکھی ہے ہزاروں کا آزمودہ عمل ہے۔ لیکن اگر چیز موجود ہی نہیں ہے یعنی باہر چلی گئی ہے تو پھر اس عمل سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کے لئے دوسرا عمل ہے۔

رزق کی فراخی کا عمل

جس گھر میں آمدنی کم ہوتی ہے اور خرچ زیادہ وہاں اطمینان قلب میسر نہیں آتا۔ میاں بیوی دونوں پریشان رہتے ہیں اور زندگی بے لطف سی رہتی ہے۔ ایسی حالت میں اول بیوی کوشش کرے کہ خرچ کم کرے اور یہ بات مشکل نظر آئے تو پھر ذیل کا وظیفہ پڑھے انشاء اللہ روزی میں

فراخی ہوگی اور غیب سے کوئی سامان پیدا ہوگا۔

وظیفہ یہ ہے

بعد نماز صبح جانماز ہی پر بیٹھے بغیر کسی سے بات کئے ہوئے واللہ یرزق من یشآء بغیر حساب کی تسبیح پڑھا کرے جتنی ہو سکے مگر سورج نکلتے ہی بند کردے اس میں کوئی تعداد نہیں ہے۔ میں نے کئی آدمیوں کو یہ وظیفہ پڑھنے کو بتایا اور دیکھا کہ خدا کا فضل ہوگیا۔ اگر دوکاندار ہے تو بکری بڑھ جاتی ہے۔ ملازم ہے تو ترقی ہو جاتی ہے اگر کسان ہے تو پیداوار ترقی کر جاتی ہے اور یہ کچھ نہیں تو برکت ایسی آجاتی ہے کہ تھوڑے میں بہتوں کا پیٹ بھر جاتا ہے۔ میں نے تو اپنے کھانا کھانے کے دسترخوانوں پر یہ آیہ شریف لکھوا رکھی ہے۔

ایک طرح کا استخارہ

بعض وقت عورت ذات کا دماغ کسی معاملہ میں کام نہیں کرتا اور وہ غریب پریشان ہو جاتی ہے کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں کوئی رائے دینے والا نہیں ملتا کہ کس کے کرنے میں نفع ہے اور کس کے کرنے میں نقصان۔

ایسی حالت میں یہ وظیفہ خواب دیتا ہے اور میں اسے استخارہ ہی کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد صرف ایک سو ایک دفعہ اللھم اھدنا الصراط المستقیم پڑھ لیا کرے اور بغیر کسی سے بات کئے سو جائے اور اللہ سے دعا کیا کرے کہ میں کیا کروں پس انشاء اللہ دو چار چھ روز کے اندر وہ خواب میں دیکھیگی کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ فلاں کام نہ کر اس میں نقصان ہے یا فلاں کام کر کہ اس میں تیرا فائدہ ہے۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ خواب تو نظر نہیں آتا مگر دوسرے قسم کے ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے مطلب حل ہو جاتا ہے۔ مدینہ منورہ میں میرا استخارہ تھا کہ ہندوستان لوٹوں یا وہیں ہجرت کر کے رہ پڑوں میں نے یہ وظیفہ پڑھنا شروع کیا آخر جاگتے میں صاف جواب ملا کہ کام کے آدمیوں کو اپنے وطن میں رہ کر خلق کی خدمت کرنی چاہئے۔ رسول اللہ کی خوشی اسی میں ہے اس پر میں نے ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا اور ہندوستان چلا آیا اور یہاں آکر

معلوم ہوا کہ بیشک میرا یہاں آنا بہت ضروری تھا اور اگر میں نہ جاتا تو میری عدم موجودگی میں کئی بندگان خدا کا نقصان ہو گیا تھا۔ عورتوں کو چاہیئے کہ اس وظیفہ سے کبھی کبھی کام لیا کریں۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں اور اسی کی برکت ہے

اللہ اللہ کا عمل

کسی کام میں دشواری نظر آئے اور دنیا کی تدبیریں کام دیتی نظر نہ آئیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ویسے اللہ تعالیٰ سے بے تعلق رہنا چاہیئے۔ اس سے تو ہمیشہ مدد مانگتی ہی چاہیئے۔ اس کے کرم کے بغیر تو دنیا کی تدبیر بھی راست نہیں پڑتی۔ لیکن اسی کا حکم ہے کہ دنیا کو ہم نے عالم اسباب بنایا ہے۔ اس لئے انسان کا فرض ہے کہ پہلے اس کے اسباب کو کام میں لاوے۔ کوشش اور جدوجہد کرے جب سب طرف سے مایوسی ہو تو اسباب کا سہارا ترک کر کے محض اللہ کے فضل و کرم کے در پر آپڑے اگر عقیدت و ایمان زوردار ہے تو غیب سے ایسے سامان پیدا ہو جاتے ہیں جو انسانی عقل میں کسی طرح نہیں آتے۔ اب میں ناظرات کتاب ہذا کو ایک تیر بہدف اور ہزاروں بار کا آزمودہ عمل بتاتا ہوں۔ اگر کسی قسم کی بلا کو سر سے ٹالنا ہو یا کسی کام کے لئے غیبی مدد درکار ہو تو یہ کرنا چاہیئے کہ چند نمازی بیبیاں صبح کی نماز کے بعد قلم دوات اور کاغذ لیکر ایک جگہ بیٹھ جائیں اور کاغذ کے تختہ پر مہین قلم سے اللہ اللہ لکھنا شروع کریں اور کم از کم ایک گھنٹہ تک لکھتی رہیں اس کے بعد قینچی یا مقراض سے ہر اللہ کو الگ الگ کتر ڈالیں۔ اس کے بعد یہ کریں کہ گیہوں کا آٹا سخت گوندہ کر رکھ لیں ہر اللہ کے کاغذ کو درمیان میں رکھ کر آٹے کی گولی تیار کرتی جائیں۔ جب سب بن جائیں تو گن ڈالیں اور ایک کاپی پر نوٹ کرلیں۔ وہ گولیاں کسی پاس کے بڑے تالاب یا ندی پر جہاں مچھلیوں کا ہونا یقینی ہو ڈلوادیں تاکہ ان گولیوں کو مچھلیاں کھا جائیں۔ یہ عمل دو سے سہ بارہ کا ہے کہ ناظر کی گولیاں مچھلیوں کو کھلائی جاتی ہیں اور اسی عرصے کے اندر اندر کام ہو جاتا ہے اگر کام جلدی ہو جائے تو اس عمل کو چھوڑ نہ دینا چاہیئے بلکہ پورا کر دینا

لازمی ہے یعنی یہ کہ سوا لاکھ تعداد پوری کر ہی دینا چاہیئے۔ ورنہ بنا ہوا کام پھر بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ عمل وہیں کیا جا سکتا ہے جہاں کوئی بڑا دریا یا ہمیشہ بھری رہنے والی ندی موجود ہو۔ کیونکہ گولیوں کا مچھلیوں کے پیٹ میں جانا ضروری ہے۔

جب عمل ختم ہو جائے تو پاک ہاتھوں کی بنی ہوئی شیرینی منگا کر یا فیرنی گھر میں پکا کر حضرت خضر علیہ السلام کی نیاز دیکر بچوں کو کھلا دینا چاہیئے اس عمل میں کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ سوا لاکھ پورے ہونے سے پہلے ہی کام ہو جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عمل پورا ہونے کے عرصہ بعد کام ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے۔

ایک دفعہ ایک شریف بیوی کے شوہر کا دماغ خراب ہو گیا اور اس نے اپنی نیک بخت اور بےزبان بیوی کو مشروط طلاق دیدی۔ غریب بیوی بیحد پریشان تھی ہم چند مردوں کو جب معلوم ہوا تو پہلے تو اس پاگل مرد کو بہت سمجھایا مگر جب وہ کسی طرح نہ مانا تو ہم نے کہا اچھا چالیس دن کے بعد ہم آخری فیصلہ کرنا۔ اس کے بعد ہم نے یہی عمل کرایا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ پندرہ دن کے بعد ہی مرد روتا ہوا آیا اور کہا لِلّٰہ میری بیوی سے میرا قصور معاف کرا دو ورنہ میں مر جاؤں گا۔ کیونکہ میں ہر روز ایسا خواب دیکھتا ہوں کہ اگر میری بیوی نے میرے پچھلے گناہ معاف نہ کئے تو میں مر جاؤنگا اور دہکتی ہوئی دوزخ میں ڈال دیا جاؤنگا۔ اس نے کہا کہ مجھے دوزخ بھی خواب میں دکھلائی گئی ہے اس نے پھر یہ کیا کہ طلاق کے خیال سے توبہ کر لی اور پھر ہمیشہ محبت اور پیار سے پیش آتا رہا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ بیوی کا فرمانبردار شوہر بن گیا۔ اسی قسم کے بہت سے واقعات اس اسم ذات کے عمل کے ہیں بس یہی سب سے زیادہ آسان ہے جو بتلاتا ہوں اسے عورتیں آسانی سے کر ہی سکتی ہیں صرف مرد کی اتنی مدد درکار ہوگی کہ باہر دریا میں ڈال دیا کرے۔ نیاز کی مٹھائی کی کوئی خاص قید نہیں سوا پاؤ یا سوا سیر ہو سکتی ہے۔

سورہ عم یتساءلون کا عمل

قرآن مجید کے تیسوں پارہ کی پہلی سورۃ ہے۔ بچے جو پہلا پارہ پڑھتے ہیں جسمیں الحمد شریف کے بعد قل اعوذ برب الناس وغیرہ سورتیں ہیں وہ اصل میں قرآن مجید کا آخری پارہ ہے۔ لیکن چونکہ اس میں چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں۔ اس لئے بزرگوں نے بچوں کو پہلے پڑھانا شروع کر دیا اور یہی رواج عام ہوا ورنا واقف لوگ اسے قرآن کا پہلا پارہ جانتے ہیں حالانکہ وہ آخری ہے۔ اسی پارہ کے آخر میں ایک بڑی سورۃ ہے جسکا نام سورہ عم یتساءلون ہے اس میں بڑی بڑی برکتیں ہیں جن میں سے چند کا ذکر کرتا ہوں اور دنیا کی ساری عورتوں کو اس کے پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں۔

(۱) اگر کوئی مرد یا عورت یہ ورد کرلے کہ بعد نماز عصر پانچ مرتبہ سورہ عم یتساءلون پڑھ کر جانماز سے ہٹے تو ایک سال ہی کے اندر اسے حج بیت اللہ اور زیارت مسجد نبوی مع مزار مبارک حضور سرورِ کائنات نصیب ہو جاتی ہے اگر وہ مفلس ہے تو غیب سے کچھ ایسے سامان پیدا ہو جائیں گے کہ اس کا سامان سفر ہو جائیگا سن ۱۳۵۲ھ میں جب میں پہلی بار حج کو گیا تو ایک بہاری بڑھیا مجھے مکہ شریف میں ملی۔ میں نے کہا تم کیسے آئیں۔ اس نے کہا مجھے کسی نے بتایا تھا کہ سورہ عم یتساءلون بعد عصر پڑھا کروں۔ میں نو مہینے برابر پڑھتی رہی مگر کوئی کامیابی نظر نہ آئی۔ جب حج کا زمانہ قریب آیا تو میرے دل میں شوق کی آگ بھڑکی اور میں گھبرا کر کراچی جا پہونچی مگر وہاں سب نے یہی کہا کہ آجکل بغیر پیسے کوئی نہیں جاسکتا۔ میں اپنا عمل شروع کرتی گئی۔ آخری جہاز میں خود بخود حاجی عبد الغنی صاحب مشہور تاجر کراچی نے میرا حال پوچھا۔ میں نے بیان کیا انہوں نے جہاز والوں سے کہہ سنکر مجھے بٹھا دیا۔ میں جدہ آگئی۔ یہاں معلموں نے مجھے بہت دھمکایا کہ تم بغیر خرچ لئے کیسے آگئیں ہم تم کو واپس کرا دیں گے میں نے کہا جو چاہو سو کرو اتنے تو آن پڑی دربار۔ حج کا زمانہ قریب آیا اور میں روتی تھی اور عمل پڑھتی تھی۔ ایک روز معلم نے آکر کہا جاؤ بابا جاؤ حج کرآؤ۔ کیونکہ سلطان

کا حکم آیا ہے کہ جو واقعی مسکین ہیں ان کا حج کرا دینا چاہیئے۔ چنانچہ دو دن پیدل چلکر مکہ شریف آگئی۔ اور حج بھی کر لیا۔ اب مدینہ طیبہ کی آرزو اور باقی ہے۔ دیکھیئے کیا ہوتا ہے۔ میں نے کہا کچھ نہ ہوگا۔ تم میرے ساتھ اونٹ پر چلنا۔ میں تم کو مدینہ کا دیدار کرا دوں گا۔ چنانچہ یہی ہوا دوسری صفت اس سورۃ کی یہ بزرگوں نے بتائی ہے کہ نماز عصر سے قبل ایک مرتبہ پڑھ کر ہاتھوں کی انگلیوں پر دم کرکے دونوں آنکھوں پر پھیر لیا کرے تو ضعف بصارت جاتی رہے اور کبھی اندھا نہ ہو۔

تیسرا وصف اس سورۃ شریف کا یہ سنا کہ اگر سورج نکلنے سے قبل زعفران سے لکھکر تعویذ بنا کر بازو پر باندھ لے تو دشمن پر فتح پا وے ایک دفعہ میں نے ایک پہلوان کو لکھ کر دیا بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے ایسی کشتی ماری جو اس سے سوائی ڈیوڑھی تھی۔ اس تعویذ کو کسی طرح ایک ایرانی خانہ بدوش عورت نے لے لیا اور اپنے جواری بیٹے کو دیدیا وہ باندھ کر قمار بازوں میں گیا اور داؤں پر داؤں جیتتا رہا۔ مگر جونہیں قمار خانہ سے باہر آیا ڈاکوؤں نے گھیر لیا اور لاٹھیوں سے مار مار کر ادھموا کر دیا۔ وہ بڑھیا بھاگی ہوئی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ وہ تعویذ بھی خود بخود غائب ہو گیا۔ اور میرا بیٹا مرنے کے قریب ہے۔ میں نے کہا جوئے سے توبہ کراؤ۔ بس اسی میں خیر ہے۔ اور آئیندہ سے اس تعویذ کو اگر مجھ سے لو تو حرام کام میں نہ لانا۔ ورنہ یہی حشر ہوگا۔ چنانچہ بڑھیا اور اس کے بیٹے نے میرے ہاتھ پر توبہ کی اور بھلا چنگا ہو گیا اور تھوڑی سی تجارت کرنے لگا جس میں اسکو خاصہ نفع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک بڑا سوداگر بن گیا۔

خوف اور ڈر سے بچنے کا عمل

ظاہر ہے کہ عورتیں بعض اکیلی پڑ جاتی ہیں اور چونکہ ان کے دل کمزور ہوتے ہیں ڈرنے لگتی ہیں اس کا عمل ایک تو یہ ہے کہ سورۃ

لیلاف قریش پڑھ کر دم کرے دوسرا عمل یہ ہے کہ لا تحزن انا اللہ معنا پڑھنا شروع کرے خوف جاتا رہیگا اور دل میں ایک قوت اور اطمینان سا آجائیگا

چوروں سے حفاظت کا عمل

رات کو جب سونے لگو تو ایک بار آیتہ الکرسی پڑھ کر تین بار زور سے تالیاں بجا دو جتنی دور تک تالی کی آواز جائے گی چور چکار زندہ نہ آویگا سینکڑوں دفعہ کا آزمایا ہوا عمل ہے۔ ایک موقعہ پر گھر میں چور آئے بھی مگر اندھے ہوگئے اور ان کو کچھ نہ ملا ناکام نامراد لوٹ گئے۔ یہ آیتہ الکرسی کی برکت ہے۔

آیتہ الکرسی کا ایک اور عمل

اگر کوئی ماتحت کا حاکم یا بیوی کا شوہر ناراض بیٹھا ہو اور اس کے سامنے جانا پڑے تو آیتہ الکرسی پڑھ کر ہاتھ پر دم کرکے مٹھی باندلو اور شوہر کے سامنے جب پہنچو تو مٹھی کھولدو اور اس کا اثر دیکھو اس کا غصہ اتر چکا ہوگا اور ہنس ہنس کر تم سے بات کرنے لگے گا۔ مگر اسوقت جب یہ عمل کیا جائے باوضو ہونا ضروری ہے اور شوہر یا حاکم کو پتہ نہ لگنے دے کہ کوئی عمل پڑھا گیا ہے۔

بچوں کو نظر بد سے کیسے بچایا جائے

آیتہ الکرسی کو زعفران سے لکھکر بچے کے گلے میں تعویذ کی طرح ڈالدو اور بے کھٹکے ہو جاؤ کسی کی نظر بد اثر نہ کریگی اور تم جھاڑنے پھوکنے والوں کی تلاش کی مصیبت سے بچ جاؤ گی۔

مرض چیچک سے بچنے کا عمل

اگر تمہارے شہر یا گانوں میں مرض چیچک کی وبا پھیلی ہوئی ہو اور بچوں کی زندگیاں خطرے میں ہوں تو تم صبح کی نماز کے بعد سیاہ رنگ کا ٹاٹ ہوا دھاگا لیکر بیٹھ جاؤ اور سورۂ یٰسین شریف پڑھنا شروع کرو جب لفظ مبین آوے

دوڑے پر پھونک مار کر گرہ لگا دو جب کل مبین پر گرہیں لگ جائیں بسم اللہ کر کے یہ گنڈا اس بچے کے گلے میں باندھ دو انشاء اللہ بچہ اس موذی مرض سے بچا رہیگا۔ اگر بہت سے بچوں کے لئے گنڈوں کی ضرورت ہو تو کئی عورتیں ایک ساتھ بیٹھ جائیں اور بہت سے ایسے گنڈے تیار کر لیں اور بچوں کے گلے میں بندھوا دیں۔ بڑے ثواب کا کام ہے جب وبائے چیچک بستی سے دفع ہو جائے تو گنڈا کھول کر کوئیں میں ڈالو اور شیرینی منگا کر اس پر رسول مقبول کی نیاز دیکر بچوں کو تقسیم کر دو گویا یہ اللہ کی درگاہ میں شکرانہ ہے کہ تمہارا بچہ اس مرض سے پناہ میں رہا یا کسی مسکین کو کھانا کھلا دو ان عملوں کو عورتوں کو اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیئے۔ پرائی محتاجی بری ۔

یا سلام کا عمل

سلام اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ اس میں منجملہ اور ہزاروں برکتوں کے ایک برکت یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص زیادہ بیمار ہوتا ہے تو اس کے عزیز و قریب ایک جگہ اکتیس یا اس سے کم و بیش نمازیوں کو جمع کر کے بادام پر اسم پاک "یا سلام" پڑھتے ہیں اور سب کا احساب کرتے جاتے ہیں جتنی کہ ایک ہی نشست میں ایک اوپر ایک لاکھ اسم ختم ہو جاتا ہے۔ آخر میں سب مل کر مریض کے صحت کی دعا کرتے ہیں۔ بادام سب پڑھنے والوں کو تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اس کا نتیجہ (انشاء اللہ) یہ نکلتا ہے کہ مریض کی حالت خطرہ سے نکل جاتی ہے اور تندرستی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں دوائیں اثر شروع ہو جاتا ہے۔ پڑھی لکھی عورتوں کو چاہیئے کہ ایسے موقعوں پر اس سے کام لیں اور خدا اور رسول کو خوش رکھتے ہوئے روحانی علاج سے نفع حاصل کریں اور ٹوٹکے ٹوٹکے جاہلوں کے منتر کا پھونک جھاڑ اور پٹے ورٹھگوں کے گنڈے جنتر منتر سے بچی رہیں۔ انسانی فطرت یہ ہے کہ جب مصیبت آتی ہے تو گھبرا کر سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور ہوتا وہی ہے جو اللہ کی مشیت منظور

کرچکی ہے۔ مفت میں اس کے عقاید اور ایمان میں کمزوری آئی۔

اس کتاب کے مطالعہ کرنے والی بیوی کو چاہئیے کہ میرے تبلائے ہوئے کل عملیات روحانی کو دوسرے عورتوں کو بھی تبلادے اور سکھلائے کیونکہ یہ بھی دین کی تبلیغ ہے۔

DUE DATE
